# مسئلہ امامت

کوکب نورانی اوکاڑوی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

# انتساب

مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) میں ہونے والی نماز کے نام
جس میں حبیب الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی

اقصیٰ میں جماعت نبیوں کی دیکھی تو فرشتے بول اٹھے
کیا خوب جماعت ہوتی ہے، کیا خوب امامت ہوتی ہے
نماز اقصیٰ میں تھا یہی سر عیاں ہو معنی اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

# مسئلہ امامت

ازقلم

شیخ الاسلام، استاذ العلماء، فقیہ العصر حضرت علامہ مولانا ابوالفضل

غلام علی قادری اشرفی اوکاڑوی دامت برکاتہم القدسیہ

عزیز مکرم صاحب زادہ علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی سلمہ تعالیٰ کے مسئلہ امامت کے استفتاء کا لکھا ہوا جواب بالاستیعاب پڑھا۔ بفضلہٖ تعالیٰ کتاب وسنت کی روشنی میں مسلک حق اہل سنت و جماعت کی خوب ترجمانی فرمائی گئی ہے۔ اللہ کریم موصوف کے علم وفضل میں اور زیادہ برکت وترقی عطا فرمائے اور الولد سر لابیہ کا پورا مصداق بنائے۔ آمین

فقیر ابوالفضل غلام علی اوکاڑوی غفرلہ

جامعہ حنیفہ، اشرف المدارس، اوکاڑا

۲۲ رجمادی الاولی ۱۴۱۱ھ

۱۰، دسمبر ۱۹۹۰ء

## مابین

جب کبھی یہ سوال ہوتا تھا کہ آپ کون ہیں؟ ہمارا جواب یہ ہوتا تھا کہ سیدھے سادے مسلمان ہیں۔ لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ یہ سوال کیوں کیا جاتا ہے اور ہمارے اس جواب سے سوال کرنے والا مطمئن کیوں نہیں ہوتا۔ خطیب ملت حضرت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی کی سحر آفریں خطابت نے جب ان کی دل نواز شخصیت سے ایک خاص وابستگی عطا کی، تو بہت سے حقائق سے آگہی ہوئی، ان سے تعلق خاطر کا یہی فیضان کیا کم ہے کہ ہر دم لبوں پر اب درود و سلام جاری رہتا ہے اور دل گویا، عشق رسول ﷺ کا مدینہ بن گیا ہے۔ الحمدللہ علی احسانہ

خود کو مسلمان کہلانے والے، کتنوں نے اپنی تقریر و تحریر میں وہ کچھ کہا اور لکھا ہے کہ ان لوگوں کی مسلمانی پر تعجب نہیں افسوس ہوتا ہے۔ علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا مصرعہ ذہن میں گونجتا ہے کہ "پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے"۔ خود کو دین کا اجارہ دار کہنے والے وہ "علما" جو صورت و شکل سے تو "علامہ دہر" معلوم ہوتے ہیں لیکن جن کے باطن میں تقویٰ و تزکیہ کی کوئی رمق نہیں اور جن کی نسبت میرے رسول (ﷺ) سے صرف زبانی جمع خرچ تک ہے، انہوں نے ملت اسلامیہ کو جس طرح رسوا کیا، اسے کیا کہیے! ایسے میں وہ علمائے حق غنیمت ہیں جو اپنے ظاہر و باطن میں کوئی تضاد نہیں رکھتے اور دنیا کے چند سکوں یا جھوٹی شہرت اور ذاتی مفادات کے عوض دین فروشی اور اصولوں کی سودے بازی نہیں کرتے اور ہوا کا رخ دیکھ کر فتوے نہیں بدلتے۔ توحید کے بنیادی عقیدے پر لڑوانے والے، رسول اکرم ﷺ کی جلیل القدر ذات کے بارے میں اپنے دعوائے علم پر زباں درازی کرنے والے لوگ، اور ہی کچھ ہوں گے، ہرگز "مولانا" یا عالم دین حق کہلانے کے مستحق نہیں چہ جائیکہ انہیں امام ربانی، مطاع الکل، غوث العصر، حکیم الامت، شیخ الاسلام، مجدد یا ولی وغیرہ

کہا جائے۔

سیدھا سادا مسلمان شاید وہی ہے جسے یہ تک معلوم نہیں کہ ایمان و اسلام کے معنی کیا ہیں؟ ایسا شخص ان لفظوں کے معنی و مفہوم تلاش کرنے کے لیے کتابیں کھنگالے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ خود کو علمائے دین کہلانے والے کتنے افراد، ان لفظوں کی تشریح و تعبیر میں کس کس طرح اسلام دشمنی کر رہے ہیں۔ ایسے علمائے حق کم ہی ہیں جو حق پر ثابت قدم ہیں اور جن کی تحریر و تقریر میں قرآن و سنت کے منافی کوئی بات نہیں۔

مجدد مسلک اہل سنت عاشق رسول خطیب اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل و جمیل فرزند اور سچے جانشین اس اعتبار سے بھی علما میں نمایاں ہیں کہ یہی ان کا شیوہ و شعار ہے، ان کی بے باکی کسی مصلحت کی پناہ نہیں ڈھونڈتی، وہ بفضلہٖ تعالیٰ، حق کے سچے علم بردار ہیں۔ ان سے وابستگی کے سبب ہی معلوم ہوا کہ سچا مسلمان کون ہے، ان کی ایک کتاب "دیو بند سے بریلی" (حقائق) سے حق کی طلب رکھنے والے ہر ایک کو یہ حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔ بلاشبہ ایمان نہایت قیمتی دولت و نعمت ہے، ہر شخص مسلمان کو اس کی حفاظت کا بہت اہتمام کرنا چاہیے۔

حقائق سے آگہی کے بعد عقائد کی درستی ہوتی ہے اور اعمال کو سنوارنے کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔ نماز بلاشبہ نہایت اہم عبادت ہے۔ اس کی بہ تمام و کمال ادائی کے لیے کس کی اقتداء کی جائے؟ یہ سوال بہت اہم ہے۔ بحمدہ تعالیٰ حضرت خطیب ملت نے اس موضوع پر ایک جامع تحریر کا وعدہ زیر نظر کتاب "مسئلہ امامت" کی صورت میں پورا کر دیا ہے۔

ہم ہر مرحلے اور معاملے میں اپنا قائد و سربراہ اسی کو بناتے ہیں جسے ہر طرح بہتر تصور کرتے ہیں، باگ ڈور غلط ہاتھوں میں ہو تو پیروکار کبھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہوتے۔ ہمارے کسی پیارے کو کوئی ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے تو ہم اس سے مصالحت و مفاہمت کی نہیں سوچتے اس کے لیے کسی رعایت کو درست نہیں سمجھتے جو شخص اللہ کے پیارے نبی، نبیوں کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کہ جن پر ہمارا سب کچھ قربان ہے، کے بارے میں کوئی منفی رائے رکھتا ہو یا منفی

رائے رکھنے والوں کی تائید کرتا ہو، اس سے کسی رعایت و مصالحت کا تصور ہی باطل ہے، وہ کسی طرح ہمارا امام و قائد نہیں ہو سکتا۔ خطیب ملت نے اپنی تحریر میں تمام حقائق بیان کئے ہیں اور ہر بات کا ثبوت فراہم کیا ہے جس کے بعد کسی تردد و تامل کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس موضوع پر اس سے پہلے اتنی عام فہم اور جامع تحریر نظروں سے نہیں گزری۔ امید ہے کہ یہ کتاب ہر مسلمان کے لیے نہایت مفید ثابت ہوگی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت خطیب ملت کی عمر اور ان کے علم و عمل میں بے پناہ برکت فرمائے تاکہ فیضان حق ان سے عام ہوتا رہے۔ آمین

موسیٰ ابراہیم وازر (قادری)

بسم اللہ والحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ

اللہ کریم جل شانہ وعز اسمہ کے فضل وکرم اور اس کے حبیب کریم رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت وعنایت سے یہ فقیر، حقیر ہمہ ہمت دین ومسلک کی خدمت میں مشغول رہتا ہے۔ اسی سلسلے میں ملک وبیرون ملک تقاریر کے لیے مدعو کیا جاتا ہوں۔ اجتماعات میں سامعین اکثر وبیشتر زبانی یا تحریر کے ذریعے مسائل بھی دریافت کرتے ہیں۔ ایک اہم مسئلہ ''امامت'' کے بارے میں بہت پوچھا جاتا ہے، ہر اجتماع میں مختصراً جواب پیش کر دیا جاتا ہے مگر وہ جواب تمام لوگوں تک نہیں پہنچتا۔ گزشتہ دنوں ایک سوال نامہ اس موضوع پر ایک ملفوف میں وصول ہوا، چنانچہ ارادہ کیا کہ قرآن وسنت کے مطابق اس موضوع پر ضروری حقائق قلم بند کر دیئے جائیں تا کہ روزمرہ کے نزاع کا خاتمہ ہو جائے اور لوگ حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ امامت کے مسئلے کو تحریر کرنے کا مقصد ہرگز ہرگز انتشار وافتراق نہیں ہے بلکہ اس مسئلے کی اہمیت کے پیش نظر حقائق کا اظہار ہے۔ سوال نامے میں جو کچھ پوچھا گیا ہے اس کے جواب میں بہت تفصیل درکار ہے لیکن میرا مشاہدہ یہ ہے کہ لوگ ضخیم کتابوں کے مطالعے سے گھبراتے ہیں، کیوں کہ انہیں زندگی کی کشاکش اور معاشی تگ ودو سے اتنا وقت ہی نہیں ملتا کہ کتابوں کا مطالعہ بھی کریں اور دینی موضوعات پر لکھنے والے اہل علم اپنی علمی استعداد سے جو الفاظ وبیان اختیار کرتے ہیں اس سے عام قارئین پوری طرح بات سمجھ نہیں پاتے، اس لیے وہ ایسی دینی کتابوں کے مطالعے سے زیادہ گھبراتے ہیں۔ اس خاکسار کی یہ کوشش رہتی ہے کہ تحریر وتقریر ہر دو میں زبان وبیان عام فہم ہو، کیوں کہ اصل مقصد تو سچی بات لوگوں تک پہنچانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس فقیر کو اس کوشش میں کام یابی اور لوگوں میں مقبولیت حاصل ہے۔ یہ ہیچ مدان، آسان لفظوں میں مختصراً سوالوں کے جواب تحریر کر رہا ہے۔ امید ہے کہ اللہ سبحانہ کے فضل سے یہ تحریر بھی سب اہل ایمان کے لیے مفید ونافع ثابت ہوگی۔ اللہ کریم ہم سب کو حق سمجھنے، اس کو قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

سوال نامہ

۱۔ امامت کی تعریف کیا ہے؟

۲۔ قرآن وسنت میں امامت کی اہمیت اور اہلیت کیا ہے؟

۳۔ فسق اعتقادی اور فسق عملی ہر دو صورت میں فاسق شخص کی اقتدا کیا حکم رکھتی ہے؟

۴۔ حدیث شریف میں ہے کہ ''صلوا خلف کل بر و فاجر'' اس کی حقیقت کیا ہے؟

۵۔ نماز کی ادائیگی میں جماعت کی بہت اہمیت ہے، فقہا اس کو لازمی اور فرض کہتے ہیں اور کچھ فقہا واجب یا سنت موکدہ۔ ایسے مقام پر جہاں مقررہ امام، امامت کا اہل نہ ہو اور وہاں یہ جبر بھی پایا جائے کہ امام کی اقتدا نہ کرنے والا مملکت کا باغی یا دشمن تصور کیا جائے اور وہاں نماز کا اعادہ (دہرانا) بھی مشکل ہو وہاں شرعی حکم کیا ہے؟

۶۔ اگر اعتقادی فاسق کی اقتدا کی جائے تو کیا شریعت میں اس کے لیے کوئی رعایت و رخصت ہے؟ کچھ علما کا کہنا ہے کہ نااہل امام کی اپنی نماز قائم نہیں ہوتی تو اس کی اقتدا کی نیت ہی باطل ہے، ایسے امام کی نااہلی کا علم رکھتے ہوئے جان بوجھ کر قصد و نیت کے ساتھ اس کی اقتدا کو درست جاننے والا مومن نہیں رہتا؟

۷۔ امام کے فاسق اعتقادی کی شہرت ہونا کافی ہے یا خود تحقیق کرنا ضروری ہے؟

۸۔ اگر پہلے علم نہ ہو اور نماز کے بعد امام کے نااہل ہونے کا علم ہو، اس صورت میں مقتدی کے لیے کیا حکم ہے؟

۹۔ باجماعت نماز میں صفوں میں کتنا فاصلہ ہو سکتا ہے، کوئی عمارت یا دیوار وغیرہ حائل ہو جائے اس صورت میں اقتدا درست ہو سکتی ہے یا نہیں؟

۱۰۔ صفوں کے درمیان کسی خاص شخص کے لیے فاصلہ رکھا جا سکتا ہے یا نہیں اور اگر درمیان کی کچھ صفیں خالی رہ گئیں تو پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدیوں کی نماز ہو گی یا نہیں؟

سائل سید محمد اشرف

اَللّٰہُ رَبُّ مُحَمَّدٍ صَلّٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

## ۱۔ امامت کی تعریف

امامت پیشوائی کے منصب کو کہتے ہیں، جو شخص لوگوں کی پیشوائی کرتا ہے، اسے امام کہتے ہیں۔ امامت، دو قسم پر ہے۔ ۱۔ امامت کبریٰ ۲۔ امامت صغریٰ

ملک وملت کی پیشوائی امامت کبریٰ (بڑی امامت) ہے اور نماز کے لیے نمازیوں کی پیشوائی امامت صغریٰ (چھوٹی امامت) ہے، جس کو یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ''کسی دوسرے کی نماز کا امام کی نماز کے ساتھ وابستہ ہونا''۔ (چوں کہ سوال نامے میں نماز کی امامت کے بارے میں وضاحت چاہی گئی ہے اس لیے امامت کبریٰ کے بارے میں ''امامت کبریٰ'' کے عنوان سے ان شاء اللہ الگ تفصیل تحریر کر دی جائے گی) لفظ ''امام'' کی تعریف یہ کی جاتی ہے ''شیء یقتدی بہ'' یعنی کسی کام (چیز) میں (کسی کے ساتھ) اس کی پیروی کرنا۔ چوں کہ نماز کو باجماعت ادا کرنے کے لیے نمازی اپنے امام کی پیروی کرتا ہے اور امام کی نماز سے اپنی نماز وابستہ کر لیتا ہے، تو امام کا نماز ادا کرنے میں نمازیوں کا پیشوا ہونا ''امامت'' کہلاتا ہے اور نمازیوں کا اس امام کی پیروی کرنا ''اقتدا'' کہلاتا ہے۔ فقہ حنفی کی مشہور و مستند کتاب درمختار میں ہے کہ ''ربط صلوٰۃ الموتم بالامام بشروط عشرۃ''۔

امام کے ساتھ مقتدی (اقتدا کرنے والے) کی نماز وابستہ ہونے کی دس شرطیں ہیں۔

۱۔ مقتدی کا امام کے پیچھے نماز ادا کرنے کی نیت کرنا۔ (نیت تکبیر تحریمہ کے ساتھ ہو)

۲۔ امام اور مقتدی ایک مکان یا جگہ میں جمع ہوں۔

۳۔ امام اور مقتدی ایک ہی نماز ادا کر رہے ہوں، یعنی فجر کی نماز ادا کر رہے ہوں تو دونوں کی نیت اسی نماز کی ہو۔

۴۔ امام کی نماز مذہب وعقیدہ کے مطابق خود امام کے نزدیک بھی صحیح ہو اور اس مقتدی کے نزدیک بھی صحیح ہو۔

۵۔ نماز کے لیے کھڑے ہونے کی حالت میں مقتدی کے پاؤں کی ایڑیاں امام کے پاؤں کی ایڑیوں سے آگے نہ ہوں۔

۶۔ مقتدی کو امام کے قیام، رکوع، سجدہ وغیرہ کرنے کا حال سننے سے یا دیکھنے سے معلوم ہو۔

۷۔ نماز کے ارکان میں مقتدی اور امام کی شرکت ہو، یعنی مقتدی نماز کا ہر رکن امام کے ساتھ ادا کرے۔

۸۔ مقتدی اپنے امام سے رکوع، سجدہ وغیرہ ادا کرنے میں برابر ہو یا اس سے کم ہو۔

۹۔ امام کے مقیم یا مسافر ہونے کا مقتدی کو نماز ادا کرنے سے پہلے یا بعد، علم ہو۔

۱۰۔ نماز میں امام یا مقتدی کے برابر عورت نہ کھڑی ہو۔

علامہ شامی درمختار کی اسی عبارت کے تحت فرماتے ہیں کہ۔(☆)

(ص ۱/۳۶۹) جب امام اور مقتدی کی نماز میں یہ وابستگی پائی جائے گی تو یہ وابستگی حقیقت میں امامت ہوگی۔

## ۲۔ امامت کی اہمیت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ نماز فرض عین ہے اور اس کے لیے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر واضح احکام ہیں۔ ''اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ'' کے الفاظ پر قرآن کے مفسروں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ پورے آداب اور باقاعدگی سے نماز کو قائم رکھنا اس طرح کہ ہر حکم اور شرط پوری ہو، اور وقت پر جماعت کے ساتھ (خشوع وخضوع)، ہر ادا سے عاجزی و مسکینی اور تواضع کا اظہار کرتے ہوئے نمازوں کی ادائیگی کا سلسلہ قائم رکھا جائے اور سکون واطمینان اور وقار سے اپنے دل کو حاضر رکھتے ہوئے، یعنی اللہ کی یاد کو غالب کر کے خلوص ومحبت سے باقاعدہ نماز قائم رکھی جائے۔ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے الفاظ میں جو جامعیت ہے اس کو بے شمار اہل علم نے اپنی اپنی تحریروں میں وضاحت سے لکھا ہے،

---

☆ وان حاذلة امرأة وهما مشتركان فی صلوة واحدة فسدت صلاته ان نوی الامام امامتها۔ ان لم ینو امامتها لم تضره ولا تجوز صلاتها لان الاشتراك دونها لا یثبت عندنا۔ (ہدایہ اولین)

یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے نماز کے لیے یہ الفاظ واضح طور پر فرمائے گئے ہیں کہ الصلوٰۃ جامعۃ (نماز جمع کرنے والی ہے) یہ نظام صلوٰۃ کا ایک خاصہ اور کمال ہے کہ روزانہ پانچ وقت، ایک مکان میں لوگ جمع ہو جاتے ہیں، کیوں کہ نماز کے لیے مسجد میں جمع ہونے کا حکم ہے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس نے اذان سنی اور مسجد میں آنے کا ارادہ نہ کیا، اس کی نماز قبول نہیں ہوگی بشرطیکہ اسے کوئی خوف اور معذوری نہ ہو''۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان و حاکم)۔ نماز، مسجد میں آکر باجماعت ادا کرنے کی ہدایت ہے، باجماعت نماز ایک امام کی اقتدا میں ادا کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے امام کا انتخاب خود کریں۔ نماز جیسے مقدس اور مبارک فریضہ کی امامت کے لیے جب کوئی سچا مسلمان رائے دے گا تو یقیناً اس کی رائے نہایت دیانت دارانہ ہوگی اور وہ اس شخص کو امام منتخب کرے گا جس میں امامت کی خوبیاں پائی جائیں گی اس طرح گویا امام و پیشوا اور امیر کے صحیح انتخاب کی تربیت، باجماعت نماز ادا کرنے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ اس طرح انسان میں کسی قابل کی پیروی کا احساس اور شعور بھی پختہ ہوتا ہے اور مل جل کر، تعاون سے کام کرنے، فکر و عمل کی وحدت اور ملی اخوت کے جذبات اجاگر ہوتے ہیں۔ سرکشی اور آوارگی کی بجائے طاعت و فرماں برداری اور مساوات کا احساس پختہ ہوتا ہے۔ باجماعت نماز میں یہ سبق ہر مسلمان کو ملتا ہے کہ وہ نیک و صالح بننے کے لیے علم اور تقویٰ میں عمدہ شخص کی پیروی کرے اور اپنی دنیا و آخرت سنوارے اور اپنے مقصد زندگی کو پورا کرے۔

شریعت اسلامی کے احکام کے مطابق امامت کا منصب بہت اہم اور عظیم ہے اور اس منصب کو کسی خاص ذات سے مخصوص نہیں کیا گیا اور نہ ہی اسے کسی کی میراث بنایا گیا ہے اس کے لیے علم و فضل اور تقویٰ ہی سب سے بڑا اور بنیادی معیار ہے، کیوں کہ اسلام میں کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر رنگ و نسل وغیرہ کی وجہ سے کوئی فضیلت و مرتبت حاصل نہیں۔ فضیلت و مرتبت اگر کسی کو حاصل ہو سکتی ہے تو جاہ و مال اور علاقہ و زبان سے نہیں، صرف علم و تقویٰ کی بنیاد پر ہو سکتی ہے۔ جو شخص جس قدر سبحانہ و تعالیٰ سے زیادہ ڈرتا

ہے اور نیکی و پارسائی میں جتنا عمدہ ہے اسی قدر دوسروں پر بڑائی و بزرگی رکھتا ہے۔

نظام صلوٰۃ میں جمعہ کی نماز، جنازہ کی نماز اور عیدین کی نمازیں بغیر امام کے ادا نہیں ہوتیں، ان نمازوں کے لیے امام کا مقرر کرنا واجب وضروری ہے۔

## امامت کی اہلیت

نماز کی امامت ایک اہم منصب اور ذمہ داری ہے۔ اس منصب کے لیے وہی شخص موزوں اور درست ہوسکتا ہے، جس میں اس منصب کی صلاحیت پوری طرح پائی جائے۔ علماء دین کا کہنا ہے کہ امامت ایک طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نیابت ہے، اس لیے امامت وہ کرے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سچا وارث اور ان سے نسبت و تعلق کے لحاظ سے زیادہ قرب رکھتا ہو۔ اس سے مراد، یہ ہے کہ وہ دین میں زیادہ عمدہ اور پختہ ہو اور علم واخلاق میں زیادہ بہتر ہو۔

چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو تم میں بہترین ہوں ان کو اپنا امام و پیشوا بناؤ کہ بلاشبہ وہی تمہارے اور تمہارے رب کے درمیان تمہارے نمائندے ہوتے ہیں''۔

(کنز العمال)

ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تین ''شخصوں کی نماز ان کے سر کے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی (یعنی قبول ہونا تو ایک طرف رہا، وہ بارگاہ الٰہی میں پیش بھی نہیں ہوتی) (۱) وہ شخص کہ قوم کی امامت کرے اور لوگ اس کو برا جانتے ہوں (۲) وہ عورت جس نے اس حالت میں رات گزاری کہ اس کا شوہر اس پر ناراض ہو (۳) وہ مسلمان بھائی جو ایک دوسرے کو کسی دنیاوی وجہ سے چھوڑے ہوئے ہوں، یعنی قطع تعلق کر رکھا ہو''۔

(ابن ماجہ)

ان ارشادات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ امامت کا اہل وہی شخص ہوسکتا ہے، جو پسندیدہ اور بہترین ہو۔ وہ شخص شریعت وسنت، طہارت و پاکیزگی اور عبادات کے مسائل زیادہ جانتا ہو۔ قرآن کریم کی تلاوت عمدگی سے کرتا ہو اور تجوید و قراءت سے بھی خوب واقف

ہو۔ اخلاق و کردار کے لحاظ سے متقی اور صالح ہو۔ دین سے زیادہ شغف رکھتا ہو، صورت و سیرت کے لحاظ سے بھی بہتر ہو، تاکہ کسی کو اس سے کراہت نہ ہو۔ جسمانی طور پر تندرست ہو، خوش الحان وخوش آواز ہو، نفاست ونظافت (صفائی وستھرائی) کا خیال رکھنے والا ہو۔ اگر کسی جگہ ان خوبیوں میں سب لوگ برابر ہوں، تو ان میں امامت کا مستحق وہ شخص ہوگا جس نے ان خوبیوں میں زیادہ عمر گزاری ہو اور اگر زیادہ عمر والے بھی کئی لوگ ہوں تو ان میں بہترین شخص کا انتخاب کیا جائے جس کے حق میں زیادہ لوگ ہوں، اسے امامت کا حق دیا جائے۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''کسی کے گھر اور علاقے میں صاحب خانہ و علاقہ کی اجازت کے بغیر اس کے مصلیٰ اور مسند پر نہ بیٹھا جائے''۔ (مسلم شریف)

ایک روایت میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ''جو شخص قوم کی امامت کرے، وہ اللہ کا خوف رکھے اور خوب جان لے کہ اسے امامت کا جو منصب دیا گیا ہے وہ اس کا ضامن ہے اور اس سے اس کی منصبی ذمہ داری کے بارے میں مواخذہ ہوگا، اگر اس امام نے اپنے منصب کو اچھی طرح نبھایا تو اس کو تمام مقتدیوں کے مجموعی ثواب کے برابر اجر ملے گا جب کہ مقتدیوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی اور اگر امامت میں کوئی کمی یا نقص ہوگا تو اس کا تمام وبال صرف امام پر ہوگا''۔ (طبرانی، معجم، اوسط)

ایک روایت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمان گرامی ہے کہ ''جب کوئی شخص امام بنے ایسی حالت میں کہ اس کے مقتدیوں میں اس شخص سے بہتر اور افضل شخص موجود ہو تو ایسے لوگ پستی کا شکار رہتے ہیں''۔

ان ارشادات سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ جس شخص کو امام بنایا جائے وہ اپنے مقتدیوں کی نماز کا بھی ذمہ دار ہوجاتا ہے۔ اس لیے امام کا ہر طرح صحیح اور درست ہونا ضروری ہے۔ اگر امام بننے والے شخص میں عقیدہ وعمل کی صحت کا معیار درست نہیں، تو ایسا شخص امام بن کر قوم کی امامت کا حق ادا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنے مقتدیوں کا وبال بھی اپنے سر لیتا ہے اور جو شخص خوف الٰہی رکھتا ہوگا وہ ہرگز ایسا نہیں کرے گا۔

امام کے لیے چھ شرطیں بیان کی گئی ہیں: (۱) مسلمان ہو (۲) مرد ہو (۳) عاقل ہو (۴) بالغ ہو (۵) قرآن کی قراءت کرسکتا ہو (۶) معذور نہ ہو۔

ان شرائط کی تفصیل میں جو باتیں ضروری ہیں وہ یہ ہیں کہ عورت ہرگز مردوں کی امامت نہیں ہوسکتی۔ البتہ صرف عورتوں میں عورت کی امامت کی گنجائش ہے جب کہ اسے بھی فقہا نے مکروہ تحریمی لکھا ہے۔ عاقل سے مراد وہ شخص ہے جو مخبوط الحواس یا پاگل نہ ہو، یعنی ذہنی طور پر ہر طرح سے درست ہو۔ نابالغ صرف نابالغوں کا امام ہوسکتا ہے۔ نابالغ کو بالغوں کی امامت کرنا جائز نہیں خواہ فرض نماز ہو یا نفل۔ بالغ ہونے کے لیے اگر علامات ظاہر نہ ہوں تو پندرہ برس کی عمر فقہا نے شرط ٹھہرائی ہے۔ امام بننے والا قرآن کریم کی صحیح قراءت کرتا ہو۔ قرآنی الفاظ صحیح ادا کرتا ہو، قرآن کریم پورا یاد نہ بھی ہو مگر اتنا ضرور یاد ہو کہ سنت کے مطابق نماز میں پڑھ سکے، نماز میں وہی آیات پڑھے جن کے الفاظ صحیح ادا کرسکتا ہے۔ اگر ہکلاتا ہو یا تلفظ وغیرہ بھی ادا نہیں کرسکتا تو ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ صحیح ادائیگی کی کوشش کرے اور اپنی اصلاح تک امامت نہ کرے، اگر کوشش کے باوجود الفاظ کی صحیح ادائیگی پر قدرت نہیں ہوتی تو ایسے شخص کو امامت کا حق نہیں ہے۔ جو شخص معذور ہے، یعنی جسمانی طور پر تن درست نہیں اسے تندرست افراد کی امامت جائز نہیں۔ معذور شخص اپنے جیسے معذور افراد کی امامت کرسکتا ہے۔

اس شرط میں یہ بھی ہے کہ اگر معذور شخص نے تندرست افراد کی امامت کی تو تندرست افراد کی نماز ادا نہ ہوگی۔

ان شرائط میں پہلی بنیادی شرط یہ ہے کہ ''امام مسلمان ہو''۔ ظاہر ہے کہ نماز، اسلامی رکن ہے، اس لیے یہ تصور بھی نہیں کیا جائے گا کہ کوئی غیر مسلم، نماز کی امامت کرسکتا ہے۔ بلاشبہ امامت کا اہل صرف مسلمان ہے، مگر سوال یہی اہم ہے اور امامت کے بارے میں تمام سوال نامے میں پوچھی جانے والی بنیادی بات یہی ہے کہ مسلمان حقیقت میں کون ہے؟ ہر کلمہ گو خود کو مسلمان کہتا ہے، مگر قرآن وسنت سے ثابت ہے کہ ہر کلمہ گو، فی الحقیقت مسلمان

نہیں، اس لیے اس کی وضاحت ضروری ہے۔ ملاحظہ ہو:

قرآن کریم میں ہے کہ "وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ" اور وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں اللہ کو اور قیامت کے دن کو (تو ایسا کہنے کے باوجود لوگ) ہرگز مومن نہیں ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور قیامت کو ماننے کے باوجود کیوں مومن نہیں؟ اس لیے کہ "فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ" ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ دوسرے مقام پر قرآن کریم میں ہے "(اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جب منافق تمہارے پاس آئیں گے تو کہیں گے کہ بیشک ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بیشک آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا رسول کہنے کے باوجود) منافق ضرور جھوٹے ہیں"۔ (سورۂ منافقون)

منافق اس شخص کو کہتے ہیں جو دل اور زبان میں یکساں نہ ہو۔ منافق دل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانتے تھے، اس لیے اللہ نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول اللہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ منافقوں کے جھوٹے ہونے میں بھی کوئی شک اور تردد نہیں۔

ان آیات قرآنی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف زبانی طور پر اللہ تعالیٰ، آخرت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا مسلمان ہونے کے لیے کافی نہیں۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ دل کی حالت سے ہر کوئی آگاہ نہیں، پھر کیسے یقین کیا جائے کہ کون دل سے بھی زبانی گواہی کی تصدیق کر رہا ہے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ منافقوں کو مسلمان نہ تسلیم کرنے کی وجہ ہی ان کے دل کی بیماری بتائی گئی ہے۔ دل کی بیماری سے مراد اختلاج قلب، یا دھڑکن کی حالت کا غلط ہونا وغیرہ نہیں، بلکہ عقیدوں کا صحیح نہ ہونا ہے کیوں کہ عقیدہ، دل کے صحیح اور پختہ نظریہ کو کہتے ہیں۔ منافقوں کے قلبی نظریات کیا تھے؟ ان کی تفصیل کتاب وسنت میں موجود ہے۔ چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافقوں کو اپنی مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے منافقوں کو مسجد سے نکالا۔ حالانکہ وہ

سب کلمہ گو تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں نماز بھی ادا کرتے تھے۔ یہ سب جانتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری موجودگی کا زمانہ سب سے بہتر زمانہ تھا، اس سے بہتر زمانہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ جب اس وقت منافق تھے تو یہ بدیہی بات ہے کہ موجودہ زمانہ ہرگز منافقوں سے خالی نہیں، ورنہ اس زمانے کو اس سے بہتر ماننا پڑے گا اور یہ ممکن نہیں۔ اسی طرح اس موجودہ زمانے کے منافق بھی اس زمانے کے منافقوں سے بہتر نہیں ہوں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس موجودہ زمانے میں منافقوں کی پہچان کس طرح ہوگی؟ جواباً عرض ہے کہ کتاب وسنت میں منافق کی پہچان اور منافقوں کے نظریات کی تفصیل موجود ہے۔

کسی میں ان منافقوں جیسے عقائد ونظریات وغیرہ کا پایا جانا ہی ان کی پہچان کروائے گا اور ہر شخص یہ جانتا ہے کہ انسان کا عمل اس کے دل کی حالت کا ترجمان ہوتا ہے۔ قلبی نظریات ہی انسانی عمل کی بنیاد ہوتے ہیں اور عمل کا دارومدار نیت پر ہے اور نیت دل کے پختہ ارادے ہی کا نام ہے۔ جب دل کی حالت صحیح نہ ہوگی تو نیت کی صحت بھی نہ ہوگی اور نیت کا فتور صحیح عمل کو بھی صحیح نہیں رہنے دے گا۔ کیوں کہ بنیاد کی خرابی سے سارا عمل خراب ہو جائے گا۔ جس شخص کا اپنا عمل درست نہیں، اس شخص سے دوسرے شخص کا وہی عمل وابستہ ہو کر بھی خرابی ہی میں شریک ہوگا۔ نماز میں امام کے ساتھ مقتدی کی نماز وابستہ ہوتی ہے۔ جب امام کی اپنی نماز اس کے عقیدہ کی خرابی کی وجہ سے درست نہیں ہوگی تو ایسے امام کی اقتدا کا تصور ہی باطل ہو جاتا ہے اور اس کے پیچھے نماز کی درستی ممکن ہی نہیں رہتی۔

امام کے ساتھ مقتدی کی نماز وابستہ ہونے کی دس شرائط میں چوتھی شرط یہ گزر چکی ہے کہ امام کی نماز خود اس کے نزدیک بھی صحیح ہو اور اس کے مقتدی کے نزدیک بھی صحیح ہو۔ اور یہ قاعدہ واصول سب جانتے ہیں کہ کسی عمل کی کوئی شرط پوری نہ ہو تو وہ عمل مکمل اور درست نہیں رہتا۔ امام کی نماز خود اس کے نزدیک صحیح ہونے کا یقین اسی وقت ہوسکتا ہے جب کہ امام کا امام ہونا صحیح ہو۔ اگر امام کا کوئی قلبی نظریہ درست نہیں ہوگا تو اس کا امام ہونا صحت پر نہیں ہوگا لہٰذا نماز کی صحت بھی باقی نہیں رہے گی، اس لیے ایسے شخص کے ساتھ کسی کی نماز

وابستہ نہیں کی جاسکتی۔

اس تفصیل کے بعد اب یہ جاننا ضروری ہے کہ موجودہ دور میں وہ کون لوگ ہیں جن کے قلبی نظریات (عقائد) درست نہیں، تاکہ ان لوگوں کی اقتدا نہ کی جائے اور انہیں اپنا امام نہ بنایا جائے۔ اس سوال کے جواب کو سوال نامے کے تیسرے سوال کے جواب کے تحت تحریر کیا جارہا ہے۔

## ۳۔ فسق اعتقادی اور فسق عملی ہر دو صورت میں فاسق شخص کی اقتدا کیا حکم رکھتی ہے؟

فسق کے معنی نافرمانی، حکم عدولی اور سرکشی کے ہیں۔ فسق کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اعتقادی (۲) عملی۔ فسق اعتقادی اور فسق عملی کی بھی دو دو قسمیں ہیں۔

پہلے فسق عملی کی دو قسمیں ملاحظہ ہوں (۱) معلن (۲) غیر معلن

(۱) معلن: جو شخص کھلے عام، اعلانیہ طور پر کتاب وسنت کے احکام کی نافرمانی (گناہ کبیرہ) کا ارتکاب کرتا ہے اور شریعت وسنت کے خلاف عمل کرتا ہے، اسے فاسق معلن کہتے ہیں۔

(۲) غیر معلن: جو شخص چھپ چھپ کر نافرمانی کرے اور اس کا گناہ پوشیدہ رہے اسے فاسق غیر معلن کہتے ہیں۔

ہر گناہ کبیرہ کا اعلانیہ ارتکاب کرنے والا فاسق معلن ہے۔ ایسے شخص کی اقتدا کرنا، مکروہ تحریمی ہے۔ یعنی ایسے شخص کے پیچھے جو نماز پڑھی جائے گی وہ ادا نہیں ہوگی اس نماز کو پھر سے ادا کرنا واجب وضروری ہے۔

چھپ چھپ کر گناہ کرنے والا فاسق غیر معلن ہے، ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تنزیہی ہے، اگر اس شخص کے گناہ گار ہونے کی شہرت ہو جائے تو اس کے پیچھے نماز ادا نہ کی جائے، اگر اس کے گناہ پر اطلاع نہ ہو تو مقتدی پر کوئی وبال نہیں ہوگا، البتہ خود امام وبال سے بری الذمہ نہیں۔

فسق اعتقادی کی دو قسمیں (۱) حد کفر کو پہنچ جانا۔ (۲) حد کفر کو نہ پہنچنا۔

قرآن وسنت کے مطابق اسلامی عقائد نہایت واضح ہیں۔ متعدد علمائے حق نے ان سب کو ایک جگہ جمع کر کے تحریر کر دیا ہے تاکہ بنیادی اور ضروری باتیں ہر مسلمان کے علم میں ہوں اور ہر مسلمان جان لے کہ ایک سچے مسلمان کے عقائد ونظریات کیا ہونے چاہئیں (☆) جو شخص دین کی کسی ایک بھی قطعی ضروری اور واضح بات کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے کیوں کہ مسلمان ہونے کے لیے دین کی تمام قطعی اور ضروری باتوں کو دل وجان سے ماننا لازمی ہے۔ وہ شخص جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، مگر اس کا کوئی عقیدہ ونظریہ کتاب و سنت کے سراسر خلاف ہو وہ اپنے ایمانی دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ دین اسلام کی ہر وہ بات جو قطعی دلیل سے ثابت ہو، اس کا انکار کفر ہے اور انکار کرنے والا کافر ہے۔

(ا) جس شخص کے اعتقادات اس حد تک خراب ہوں کہ وہ کفر کی حد تک پہنچ جائیں اور وہ ان غلط اعتقادات سے سچی توبہ نہ کرے بلکہ اپنے اعتقادات پر قائم رہے اور ان کو درست جانے، ایسا شخص ''فاسق معلن اعتقادی'' ہے اس کے پیچھے نماز ادا کرنے کا تصور ہی باطل ہے، کیوں کہ ایسا شخص ہرگز ہرگز امام نہیں ہوسکتا بلکہ خود اس کی اپنی نماز بھی قائم نہیں ہوتی۔

(۲) وہ شخص جس کے عقائد ونظریات غلط ہوں مگر کفر وشرک بدعت ضلالہ کفریہ کی حد کو نہ پہنچے ہوں، ایسے شخص کو ''فاسق غیر معلن اعتقادی'' کہتے ہیں، ایسے شخص پر غلط نظریات سے توبہ لازم ہے اور اپنی اصلاح ضروری ہے۔ اس کو ہرگز لوگوں کا امام نہیں بننا چاہیے۔ کیوں کہ اس کے پیچھے نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور نماز کا دہرانا ضروری ہے۔ اگر غیر معلن اعتقادی فاسق کے سوا کوئی صحیح صالح امام نہ ملے تو تنہا اکیلے نماز ادا کرنی چاہئے اور جمعہ کی نماز اگر علاقہ میں ایک ہی جگہ ہوتی ہو اور وہاں امام غیر معلن فاسق اعتقادی ہو تو مجبوراً اس کے پیچھے جمعہ کی اہمیت کی وجہ سے جمعہ کے دو فرض ادا کر کے ظہر کی اپنی نماز پوری ادا کرے، بشرطیکہ فاسق اور مبتدع کے پیچھے نماز نہ پڑھنے میں فتنہ وفساد وغیرہ کا خوف ہو، کیوں کہ فتنہ کو قتل سے زیادہ شدید فرمایا گیا ہے۔ فقہائے کرام نے اپنی تحریروں میں اس

1۔ یہ خادم اہل سنت اس موضوع پر ان شاء اللہ بہت جلد ''میرا دین'' کے نام سے ایک جامع کتاب ہدیہ قارئین کر رہا ہے۔

کی وضاحت فرمائی ہے۔ درمختار، غنیّۃ، فتاویٰ عالم گیری، طحطاوی علی مراقی الفلاح، ابی السعود، فتاویٰ الحجۃ والنّبیین والشرنبلالیہ، فتح القدیر، مفتاح السعادہ والغیاثیم والھندیہ وغیرہا میں یہ احکام ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں، اختصار کی غرض سے یہاں صرف خلاصہ تحریر کردیا گیا ہے۔

وہ ضروریات دین، جن کو بہ تمام وکمال ماننا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے اس کی تفصیل میں سے صرف ایک موضوع پر کچھ وضاحت ضروری ہے تاکہ فاسق معلن اعتقادی اور فاسق غیر معلن اعتقادی کی پہچان ہر کوئی کرسکے اور اپنی نماز کے لیے صحیح امام کا انتخاب کیا جاسکے۔ اسی موضوع کے تحت امامت کے بارے میں لوگ مسائل دریافت کرتے ہیں اور جن لوگوں کی امامت کے بارے میں پوچھتے ہیں تمام تر وضاحت انہی لوگوں کی تحریروں سے پیش کی جارہی ہے۔ اس وضاحت سے پہلے یہ عرض ضروری ہے کہ یہ خادم اہل سنت، خوف الٰہی رکھتے ہوئے دیانت وصداقت کے ساتھ صرف حقائق پیش کررہا ہے۔ ہر کوئی یہ ضرور جانتا ہے کہ سچ کو سچ ماننا ہی سچ اور مفید ہے۔ حقیقت کا انکار کرنا ہرگز فائدہ مند نہیں۔

مشہور دیوبندی عالم جناب مرتضیٰ حسن دربھنگی اپنی کتاب اشد العذاب کے ص ۲ پر فرماتے ہیں کہ "انبیاء علیہم السلام کی تعظیم کرنی اور توہین نہ کرنا ضروریات دین سے ہے"۔ مذکورہ عبارت سے یہ اصول ہوگیا کہ اللہ کے نبیوں کی تعظیم لازمی اور ضروریات دین سے ہے اور اس کا منکر اپنے ایمانی دعویٰ میں ہرگز درست نہیں۔ اس اصول کو جاننے کے بعد یہ بھی جان لیا جائے کہ جو شخص انبیاء علیہم السلام کی شان میں بے ادبی وگستاخی کرے، اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اس سلسلے میں دیوبندی، وہابی علما کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔

(ا) دارالعلوم دیوبند کے مشہور مدرس اور عالم جناب محمد انور شاہ کشمیری اپنی کتاب "اکفار الملحدین" میں فرماتے ہیں کہ "تمام علمائے امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی وتوہین اور تنقیص کرنے والا کافر ہے اور جو شخص اس (گستاخ رسول) کے کفر وعذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے"۔ مزید فرماتے ہیں کہ "اس معاملے میں کفر کے حکم کا دارومدار ظاہر پر ہے، قصد ونیت اور قرائن حال پر نہیں"۔ زیادہ واضح

کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''علمانے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی شان میں جرأت و دلیری کفر ہے اگرچہ توہین مقصود نہ بھی ہو''۔ (ص ۵۱۔ ۷۳۔ ۸۶)

(۲) علمائے دیوبند اپنے رشید احمد گنگوہی صاحب کو ''مطاع الکل'' کہتے ہیں اور جناب حسین احمد ٹانڈوی مدنی کو ''شیخ الاسلام'' کہتے ہیں۔ ان دونوں نے اپنی تحریروں میں لکھا ہے کہ ''جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات علیہ السلام ہوں، اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہو مگر ان (موہم تحقیر الفاظ) سے بھی کہنے والا کافر ہو جاتا ہے''۔ لطائف رشیدیہ ص ۲۲، الشہاب الثاقب ص ۵۸)

(۳) مذکورہ عبارت کو الشہاب الثاقب کے ص ۵۰ پر مزید واضح کر کے یوں لکھا گیا ہے کہ ''جن الفاظ میں ایہام گستاخی و بے ادبی کا ہوتا تھا ان کو بھی (رشید احمد گنگوہی صاحب نے) باعث ایذا جناب رسالت مآب علیہ السلام ذکر کیا اور فرمایا کہ کلمات کفر بکنے والے کو منع کرنا شدید چاہیے اگر مقدور ہو اور اگر (کفر بکنے والا) باز نہ آوے (تو اسے) قتل کرنا چاہیے کہ (وہ) موذی و گستاخ شان جناب کبریا تعالیٰ شانہ اور اس کے رسول امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے''۔

(۴) جناب مرتضیٰ حسن دربھنگی اپنی کتاب اشد العذاب کے ص ۵ پر فرماتے ہیں کہ ''(جو) دعوائے اسلام و ایمان اور سعی بلیغ اور کوشش وسیع کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو گالیاں دیتا ہو اور ضروریات دین کا انکار کرے وہ قطعاً و یقیناً تمام مسلمانوں کے نزدیک مرتد ہے کافر ہے''۔

(۵) جناب اشرفعلی تھانوی اپنی کتاب ''زاد السعید'' کے ص ۲۶ پر فرماتے ہیں کہ ''قرآن مجید کے اشارے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رافع میں ایک گستاخی کرنے سے (نعوذ باللہ منہا) اس (گستاخ) شخص پر من جانب اللہ دس لعنتیں نازل ہوتی ہیں''۔

(۶) تمام بڑے اور چھوٹے علمائے دیوبند کی متفقہ و مصدقہ کتاب المہند کے ص ۲۸ پر یہ عبارت درج ہے کہ ''جو اس کا قائل ہو کہ نبی کریم علیہ السلام کو ہم پر بس اتنی فضیلت ہے جتنی بڑے بھائی کو چھوٹے بھائی پر ہوتی ہے تو اس (شخص) کے متعلق ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ وہ دائرہ ایمان سے خارج ہے''۔

مذکورہ ارشادات سے یہ واضح ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان رفیع میں بغیر نیت و ارادہ کے بھی اگر ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں جن میں حقارت وتوہین اور تنقیص کسی طرح بھی پائی جائے تو ایسے الفاظ استعمال کرنے والا بلاشبہ مرتد، کافر، لعنتی اور واجب القتل ہے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ کسی شخص نے ننانوے جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کی اور صرف ایک جگہ بے ادبی وگستاخی کی تو ایسے شخص کے لیے کیا حکم ہے؟ اس کے جواب میں جناب اشرفعلی تھانوی افاضات یومیہ ص ۲۳۴، ج ۷ میں فرماتے ہیں کہ ''اگر کسی میں ایک بات بھی کفر کی ہوگی وہ بالاجماع کافر ہے''۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اگر کسی نے کفر کیا ہے تو اس کو کافر کہنے سے ہمیں کیا ثواب ہوگا اور ہم کافر کو کافر نہ کہیں تو کیا ہمیں عذاب ہوگا؟ اس کے جواب میں جناب مرتضیٰ حسن دربھنگی اپنی کتاب اشد العذاب کے ص ۳ پر فرماتے ہیں کہ ''نہ علمائے اسلام جلد باز ہیں نہ فروعی اور ظنیات اور اجتہادی امور میں کوئی تکفیر کرتا ہے، بلکہ جب تک آفتاب کی طرح کفر ظاہر نہ ہو جائے یہ (علمائے اسلام کی) مقدس جماعت کبھی ایسی جرأت نہیں کرتی، حتی الوسع کلام میں تاویل کر کے صحیح معنی بیان کرتے ہیں، مگر جب کسی کا دل ہی جہنم میں جانے کو چاہے اور وہ خود ہی اسلام کے وسیع دائرے سے خارج ہو جائے تو علمائے اسلام مجبور ہیں۔ جس طرح مسلمان کو کافر کہنا کفر ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی کفر ہے''۔ اپنی اسی کتاب کے ص ۳۰۲ پر مزید فرماتے ہیں کہ ''(کسی کا کفر ظاہر ہونے پر) اگر علما سکوت کریں اور خلقت گمراہ ہو جائے تو اس کا وبال کس پر ہوگا، آخر علما کا کام کیا ہے؟ جب وہ کفر اور اسلام میں فرق بھی نہ بتائیں تو اور کیا کریں گے؟''

جناب اشرفعلی تھانوی فرماتے ہیں کہ ''کفر کو کفر نہ سمجھنا بھی کفر ہے۔ کیا اگر مسیلمہ کذاب کو کوئی شخص نبی نہ مانتا ہو مگر اس کے عقائد کو کفر بھی نہ کہتا ہو تو کیا اس شخص کو مسلمان کہا جائے گا؟'' (کمالات اشرفیہ ۱۲۳)

ان ارشادات سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ جب کسی کا کفر ظاہر ہو جائے تو اس کو کافر کہنا اور ماننا ضروری ہو جاتا ہے اور کافر کو کافر نہ مانے تو یہ بھی کفر ہے اور ایسا کرنے والا کافر۔

تھانوی صاحب نے یہ بھی وضاحت کر دی کہ کسی کے کفریہ عقائد کا علم ہو جانے کے بعد اس شخص کو کافر نہ کہنے والا خود بھی مسلمان نہیں کہلا سکتا۔

اگر کوئی یہ کہے کہ کبھی کسی موقع پر علاج کی غرض سے سختی کرتے ہوئے نامناسب الفاظ استعمال کر لیے جائیں تو کیا وہ الفاظ بھی بے ادبی و گستاخی شمار ہوں گے؟ امداد الفتاویٰ ص ۱۱۵ ج ۴ پر جناب اشرفعلی تھانوی اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ وہابیوں دیوبندیوں کے امام جناب اسمٰعیل دہلوی پھلتی بالاکوٹی کی کتاب ''تقویۃ الایمان میں بعض الفاظ جو سخت واقع ہو گئے ہیں (وہ الفاظ) اس زمانہ کی جاہلیت کا علاج تھا۔ یہ بیشک بے ادبی گستاخی ہے (جو اسمٰعیل دہلوی نے ان الفاظ میں کی) ان الفاظ کو استعمال بھی نہ کیا جاوے گا''۔

جناب اشرفعلی تھانوی کے پیشوا جناب رشید احمد گنگوہی اس کتاب تقویۃ الایمان کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ''کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور ردشرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس (کتاب) کے بالکل کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس (کتاب) کا رکھنا اور پڑھنا عین اسلام ہے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۱)۔ گنگوہی صاحب مزید فرماتے ہیں کہ ''وہ (اسمٰعیل دہلوی) قطعی جنتی ہے اور مخلص ولی ہے، ایسے شخص کو مردود کہنا خود مردود ہونا ہے اور ایسے مقبول کو کافر کہنا خود کافر ہونا ہے''۔ (فتاویٰ رشیدیہ، ص ۱۶ ج ۳)

جناب اشرفعلی تھانوی کا کہنا ہے کہ کتاب تقویۃ الایمان کے الفاظ میں بیشک بے ادبی اور گستاخی ہے اور گنگوہی صاحب بھی پہلے یہ فرما چکے ہیں کہ ''حقارت و توہین کی نیت و گمان کے بغیر بھی شان رسالت میں حقارت آمیز الفاظ کہنے والا کافر ہو جاتا ہے''۔ طرفہ تماشا ہے کہ وہی گنگوہی صاحب حقارت و اہانت کے الفاظ سے بھری ہوئی کتاب تقویۃ الایمان کو پڑھنا اور رکھنا عین اسلام اور بے ادبی و گستاخی کرنے والے اسمٰعیل دہلوی کو (جانے کون سے علم سے) قطعی جنتی بھی فرما رہے ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی صاحب کی کتاب تقویۃ الایمان کے چند الفاظ ملاحظہ ہوں اور قارئین خود فیصلہ کر لیں کہ یہ الفاظ عین اسلام ہیں یا بیشک بے ادبی و گستاخی ہیں؟

۱۔ ’’نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعظیم صرف بڑے بھائی کی سی کرنی چاہیے‘‘۔ (ص ۵۸)

۲۔ ’’اللہ کے روبرو سب انبیا و اولیا ایک ذرہ ناچیز سے بھی کم تر ہیں‘‘۔ (ص ۵۴)

۳۔ ’’بڑی مخلوق یعنی انبیا اور چھوٹی مخلوق یعنی باقی سب بندے اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہیں‘‘۔ (ص ۱۴)

۴۔ ’’نبی رسول سب ناکارہ ہیں‘‘۔ (ص ۲۹)

۵۔ ’’بڑے یعنی نبی اور چھوٹے یعنی باقی سب بندے بے خبر اور نادان ہے‘‘۔ (ص ۳)

۶۔ ’’رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا‘‘۔ (۵۶)

۷۔ ’’حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مر کر مٹی میں مل گئے‘‘۔ (ص ۵۹)

۸۔ ’’گاؤں میں جیسا درجہ چوہدری، زمیندار کا ہے ویسا درجہ امت میں نبی کا ہے‘‘۔

(ص ۶۱)

۹۔ ’’محمد یا علی کسی چیز کا مختار نہیں، نبی ولی کچھ نہیں کر سکتے۔ (ص ۴۱)

۱۰۔ ’’حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے حواس ہو گئے‘‘۔ (ص ۵۵)

۱۱۔ ’’اللہ چاہے تو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے برابر کروڑوں پیدا کر ڈالے‘‘۔ (۱۶)

۱۲۔ ’’نبی کی تعریف صرف بشر کی سی کرو‘‘۔ (ص ۳۵)

۱۳۔ ’’اللہ کو مانو، اس کے سوا کسی کو نہ مانو‘‘۔ (ص ۱۴)

۱۴۔ ’’نبی اور ولی کو اللہ کی مخلوق اور بندہ جان کر وکیل اور سفارشی سمجھنے والا، مدد کے لیے پکارنے والا، نذر نیاز کرنے والا مسلمان اور کافر ابوجہل شرک میں برابر ہیں‘‘۔

(ص ۷، ۲۷)

تقویۃ الایمان (العیاذ باللہ) کتاب کے ان الفاظ پر کوئی تبصرہ کیے بغیر اسمٰعیل دہلوی صاحب کی ایک اور کتاب ’’صراط مستقیم‘‘ کی ایک عبارت بھی پیش کر رہا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔ اسمٰعیل دہلوی پھلتی لکھتے ہیں۔

’’بمقتضائے ظلمات بعضہا فوق بعض از وسوسہ زنا خیال مجامعت زوجہ خود بہتر است و

صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آں از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندیں مرتبہ بد تر از استغراق در صورت گاؤ خر خود است کہ خیال آں با تعظیم و اجلال بسویدائے دل انسان می چسپد بخلاف خیال گاؤ خر نہ کہ آں پدر چسپید گی می بود نہ تعظیم بلکہ مہان و محقر می بود و ایں تعظیم و اجلال غیر کہ در نماز ملحوظ مقصود می شود بشرک می کشد‘‘ (ص ۸۶ مطبوعہ مجتبائی)

ترجمہ:۔ بعض ظلمتیں بعض ظلمتوں پر فوقیت رکھتی ہیں کے اقتضاء کے مطابق زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی سے مجامعت (ہم بستری) کرنے کا خیال بہتر ہے اور شیخ (پیر) یا اس کے مثل بزرگوں کی طرف توجہ کرنا اگرچہ جناب رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں۔ بہت ہی زیادہ برا ہے اپنے بیل اور گدھے کے خیال میں ڈوب جانے سے، اس لیے کہ ان (بزرگوں) کا خیال تعظیم و بزرگی کے ساتھ آتا ہے اور انسان کے دل سے چمٹ جاتا ہے اس کے برخلاف بیل اور گدھے کے خیال میں نہ اس قدر دلچسپی ہوتی ہے، نہ تعظیم، بلکہ (ان کا خیال) ذلیل و حقیر ہوتا ہے اور یہ (بزرگوں کی) تعظیم و بزرگی جو نماز میں ملحوظ و مقصود ہو جاتی ہے، شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔

اس عبارت کی ناپاکی پر قارئین نے توجہ کی ہوگی کہ اسمٰعیل دہلوی کا کہنا ہے کہ زنا کے وسوسہ سے اپنی بیوی سے مجامعت کرنے کا خیال بہتر ہے، لیکن اولیاء اللہ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال اور ان کی طرف توجہ کرنا، بیل گدھے کے خیال میں غرق ہو جانے سے بہت زیادہ بدتر ہے۔ بلاشبہ سخت بے ادبی و گستاخی ہے۔

اسمٰعیل دہلوی نے نماز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال کو جانوروں کے خیال میں ڈوب جانے سے بہت برا ثابت کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال تعظیم و بزرگی کے ساتھ آتا ہے اور نماز میں غیر کی تعظیم، شرک کی طرف کھینچ لے جاتی ہے اور جانوروں کے خیال میں چوں کہ حقارت و ذلت ہوتی ہے، اس لیے نماز میں حقیر و ذلیل خیال اور توجہ اتنی بری نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ خود اسمٰعیل دہلوی کی اور ان لوگوں کی نماز کیسے ادا ہوگی، جو اسمٰعیل

دہلوی کو قطعی جنتی، مخلص ولی اور اس کی دیگر ناپاک تحریروں کے ساتھ اس عبارت کو بھی درست اور حق مانتے ہیں؟ یہ سوال نہایت اہم ہے، کیوں کہ ہر نمازی جانتا ہے کہ نماز میں قرآن کریم پڑھنا فرض ہے اور قرآن کریم، ذکر رسول ﷺ سے بھرا ہوا ہے، رسول اکرم ﷺ کے صفاتی ناموں کے ساتھ ساتھ کچھ آیات میں ذاتی نام مبارک بھی ہے آیات قرآنی میں ''النبی'' اور ''الرسول'' کے الفاظ جا بجا ہیں۔ ان کو پڑھ کر سن کر یقیناً رسول کریم ﷺ کا خیال آئے گا۔ خاص طور پر قعدہ میں التحیات پڑھتے ہوئے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کرتے ہوئے اور پھر ممکن نہیں کہ حضور اکرم ﷺ، ان کی آل پاک اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پاک پر درود شریف پڑھتے ہوئے ان کا خیال نہ آئے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ رسول کریم ﷺ کا خیال بلاشبہ تعظیم و توقیر کے ساتھ آئے گا کیوں کہ خیال کی دو ہی صورتیں ہیں، تعظیم کے ساتھ یا تحقیر کے ساتھ۔ اگر تعظیم کے ساتھ خیال آیا تو اسمٰعیل دہلوی کے مطابق شرک کی طرف کھنچ گیا، لہٰذا نماز ادا نہ ہوئی اور اگر تحقیر کے ساتھ خیال آیا تو رسول کریم ﷺ کی تحقیر بلاشبہ کفر ہے، اس صورت میں نماز کیسے ادا ہوگی؟ اب اس شرک و کفر سے بچنے کی ایک صورت رہ جاتی ہے وہ یہ کہ سرے سے التحیات ہی نہ پڑھی جائے، مگر ایسا کرنے سے بھی نماز ادا نہیں ہوتی۔ اب اسماعیلی دیوبندی وہابی بتائیں کہ ان کی نماز کیسے ادا ہوگی؟ قرآن نہ پڑھیں تب بھی نہیں ہوگی کیوں کہ اس کا پڑھنا فرض ہے، اگر پڑھیں تو کسی قرآنی لفظ سے خیال، رسول اللہ ﷺ کی طرف چلا گیا تو بھی نماز نہیں ہوگی اور التحیات پڑھنے اور نہ پڑھنے دونوں صورتوں میں نماز ادا نہیں ہوتی۔ قارئین خوب جان لیں گے کہ جب ان اسماعیلی وہابی دیوبندی کی اپنی نماز ادا نہیں ہوئی تو ان کے پیچھے کسی مسلمان کی نماز کیسے ادا ہوگی کیوں کہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کی امامت کا تصور ہی باطل ہے۔ اسمٰعیل دہلوی صاحب کی اس عبارت کے مطابق ذرا اشرفعلی تھانوی صاحب کا حال بھی ملاحظہ ہو۔ جناب عبدالماجد دریابادی علمائے دیوبند میں مشہور ہیں۔ اشرفعلی تھانوی صاحب سے انہیں کس قدر عقیدت تھی، خود ان کے اپنے قلم سے ملاحظہ ہو۔

اپنی کتاب حکیم الامت ص ۶۳ ۔ ۶۴ پر لکھتے ہیں ''نماز میں جی نہ لگنے کا مرض بہت پرانا ہے۔ لیکن کبھی یہ تجربہ ہوا ہے کہ عین حالت نماز میں جب کبھی بجائے اپنے، جناب (تھانوی) کو یا ۔۔۔ کو نماز پڑھتے فرض کر لیا تو اتنی دیر تک نماز میں دل لگ گیا، لیکن مصیبت یہ ہے کہ خود یہ تصور بھی عرصہ تک قائم نہیں رہتا بہر حال اگر یہ عمل محمود ہو تو تصویب فرمائی جائے ورنہ آئندہ احتیاط رکھوں۔

(تھانوی صاحب جواب میں تحریر فرماتے ہیں) ''محمود ہے'' جب دوسروں کو اطلاع نہ ہو ورنہ سم قاتل ہے''۔

اشرف العلوم بابت ماہ رمضان ۱۳۵۵ھ ص ۱۶ میں ہے کہ جناب اشرفعلی کو ''کسی نے خط لکھا کہ اگر آپ کی صورت کا تصور کر لوں تو نماز میں جی لگتا ہے۔ (تھانوی نے جواباً) فرمایا، جائز ہے''۔

اسمٰعیل دہلوی نے نماز میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خیال کو جانوروں کے خیال میں غرق ہو جانے سے بہت ہی زیادہ برا لکھا اور اشرفعلی صاحب اپنے خیال کو محمود (بہت اچھا) اور جائز فرما رہے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تھانوی صاحب کا خیال تعظیم کے ساتھ درست ہوگا یا تحقیر کے ساتھ؟ اگر تعظیم کے ساتھ درست مانا جائے، تو اسمٰعیل دہلوی صاحب کے مطابق شرک ہوگا اور اگر تحقیر کے ساتھ درست مانا جائے، تو جناب رشید احمد گنگوہی کے مطابق کفر ہوگا (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵ ج ۳ پر وہ لکھتے ہیں کہ ''علما کی توہین و تحقیر کو چوں کہ علماء نے کفر لکھا ہے جو بوجہ امر علم کے اور دین کے ہو'')۔ تھانوی صاحب نے اپنے خیال کو جو بہت اچھا اور جائز کہا ہے تو یقیناً تعظیم کے ساتھ خیال کو کہا ہوگا مگر تعظیم میں شرک اور تحقیر میں کفر ہوتا ہے۔ اب دیوبندی وہابی بتائیں کہ ان کے ان تینوں بڑوں میں سے کس کی بات درست ہے؟ اگر اسمٰعیل دہلوی کو درست کہیں تو اس کا انجام جو ہوگا وہ قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اگر اشرفعلی کو درست کہیں تو انہی کے دونوں بڑے نماز ادا نہیں ہونے دیتے بلکہ کفر و شرک کا حکم سنا دیتے ہیں۔ اب دیوبندیوں وہابیوں پر بلاشبہ یہ وبال ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کی بے ادبی کا کہ ان میں کا ہر ایک، ان تینوں کا ماننے والا اور پیروکار ہونے کی وجہ سے نماز ہی سے محروم ہے۔ (اللھم احفظنا منھم)

جناب اسمٰعیل دہلوی کی دو کتابوں کے بعد تیسری کتاب ''یک روزی'' کے ص ۱۴۵ کی ایک ناپاک عبارت بھی ملاحظہ ہو وہ لکھتے ہیں کہ ''پس ہم نہیں مانتے کہ خدا کا جھوٹ محال بالذات ہو ورنہ لازم آئے گا کہ قدرت انسانی قدرت ربانی سے زائد ہے''۔

اس عبارت میں اسمٰعیل دہلوی صاحب نے صاف فرما دیا کہ ''ہم (وہابی دیوبندی) نہیں مانتے کہ اللہ جھوٹ نہیں بول سکتا'' (العیاذ باللہ)۔ مشہور مثال ہے کہ ''گرو جنہاں نے پٹنے تے چیلے جان شڑپ'' امام جب ایسا گستاخ ہوگا تو اس کے پیروکار چار ہاتھ آگے ہی ہوں گے، دیگر علمائے دیوبند کی تائید بھی ملاحظہ ہو۔ جناب رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ ج اول ص ۱۹ پر فرماتے ہیں کہ ''الحاصل امکان کذب سے مراد دخول کذب تحت قدرت باری تعالیٰ ہے''۔ جناب اشرفعلی تھانوی کے استاد جناب محمود الحسن دیوبندی جنہیں ''شیخ الہند'' کہا جاتا ہے، وہ صرف جھوٹ ہی پر بس نہیں کرتے بلکہ یہ الفاظ لکھتے ہیں کہ ''افعال قبیحہ مقدور باری تعالیٰ ہیں'' (الجہد المقل ص ۸۳'' تذکرۃ الخلیل ص ۱۳۵ پر جناب عاشق الٰہی میرٹھی نے جناب خلیل احمد انبیٹھوی کا یہ فرمان بھی نقل کیا ہے کہ ''یہ کلیہ مسلمہ اہل کلام ہے جو مقدور العبد ہے وہ بمقدور اللہ ہے''۔

ان تمام عبارتوں سے علمائے دیوبند نے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے اور برے کام کر سکتا ہے (العیاذ باللہ)

علمائے دیوبند کی مزید چند عبارات ملاحظہ ہوں۔ دار العلوم دیوبند کے بانی کہلانے والے جناب محمد قاسم نانوتوی جنہیں ''قاسم العلوم والخیرات'' بھی کہا جاتا ہے اپنی کتاب تحذیر الناس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا انکار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا

کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے"۔ مزید فرماتے ہیں کہ "بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی نبی پیدا ہوتو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہیں آئے گا"۔ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اگر بالفرض آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے زمانے میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے"۔ ص ۳۔ ۱۳۔ ۲۴

جناب خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری علمائے دیوبند کے بڑے استاد ہیں، اپنی کتاب براہین قاطعہ میں جو کچھ فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

(۱) الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی وسعت علم کی کون سی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے"۔ (ص ۵۱)

(۲) ایک خاص علم کی وسعت آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نہیں دی گئی اور ابلیس لعین کو دی گئی ہے"۔

(۳) اور ملک الموت سے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) افضل ہونے کی وجہ سے ہرگز (یہ) ثابت نہیں ہوتا کہ علم آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ان امور میں ملک الموت کے برابر بھی ہو چہ جائیکہ زیادہ"۔ ص ۵۲ (الشہاب الثاقب ص ۹۲ پر حسین احمد ٹانڈوی مدنی نے بھی ان عبارات کی تائید و تصدیق کی ہے)

۴۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے انجام اور دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں۔ (ص ۵۱)

۵۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیوبند کے علماء کے تعلق سے اردو زبان آئی۔ (ص ۲۶)

۶۔ نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اپنا بھائی کہنا درست ہے۔ (ص ۳)

جناب محمد قاسم نانوتوی اور خلیل احمد انبیٹھوی کے بعد جناب اشرفعلی تھانوی کی ایک نہایت ناپاک عبارت ملاحظہ ہو۔ یہ تھانوی صاحب دیوبندیوں وہابیوں کے مجدد، حکیم

الامت اور جانے کیا کیا ہیں۔ اپنی کتاب حفظ الایمان کے ص ۷۔۸ پر لکھتے ہیں: ”پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب، اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں اس میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی ومجنون بلکہ جمیع حیوانات وبہائم کے لیے بھی حاصل ہے“۔ (العیاذ باللہ)

برصغیر پاک و ہند میں دیوبندیوں وہابیوں کے سب سے بڑے گرو جناب اسمٰعیل دہلوی پھلتی ہیں ان کے بعد جناب رشید احمد گنگوہی، جناب محمد قاسم نانوتوی، جناب خلیل احمد انبیٹھوی سہارن پوری اور جناب اشرفعلی تھانوی درجہ بدرجہ ہیں۔ دیوبندی علما وعوام نے اپنے ان بڑوں کے لیے جو القاب وغیرہ استعمال کئے ہیں اور ان کی تعریف وشان میں جو کچھ لکھا ہے اگر اسے صحیح مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کے بعد انہیں لوگوں کا مرتبہ ومقام نظر آئے گا اور تمام انبیا واولیا کی حیثیت ثانوی ومعمولی ہو کر رہ جائے۔ ان لوگوں کی تحریروں میں یہ دو رخی صاف نظر آتی ہے اپنے بڑوں کے لیے یہ لوگ ہر کمال وخوبی کو ثابت کرنے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کرتے ہیں اور انبیا واولیا کے معاملے میں ان کی زبان وقلم کا یہ حال ہے کہ اچھے الفاظ اور پیرایہ بیان تو ایک طرف رہے بلکہ یہ لوگ تو چھانٹ چھانٹ کر وہ لفظ اور لہجہ استعمال کرتے ہیں جس سے توہین وتنقیص اور بے ادبی وگستاخی میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ یہی نہیں بلکہ غلط کو صحیح اور صحیح کو غلط ثابت کرنا اور ہٹ دھرمی ان کا وتیرہ ہے۔ اس خادم اہل سنت نے اپنی کتابوں ”دیوبند سے بریلی (حقائق)“ اور ”سفید وسیاہ“ میں اس موضوع پر بہت کچھ تحریر کیا ہے۔ امامت کے مسئلہ کو تحریر کرتے ہوئے یہ مختصر تفصیل اس لیے پیش کی ہے کہ خود وہابی علمانے بے ادبی اور گستاخی کی، ان کے بارے میں خود دیوبندی وہابی علما ہی کے فتوے کے مطابق کفر کا حکم نہیں لگایا جاتا بلکہ ان کی کفریہ عبارتوں کو ایمان ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کا واضح مطلب یہی ہے کہ دیوبندی وہابیوں نے اپنے لیے حرام کو حلال کر لیا ہے اور خود کو شریعت وسنت کے ہر قانون سے مستثنیٰ سمجھ لیا ہے۔

ان کا یہ رویہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ ان لوگوں کو اپنے چند بڑوں کی عزت جس قدر پیاری ہے اس قدر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت وناموس ہرگز عزیز نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ جن لوگوں نے بے ادبی گستاخی کی وہ تو گزر گئے، اب انہیں کافر کہنے اور کافر منوانے کی کیا ضرورت ہے اور موجودہ دیوبندی وہابی اپنے بڑوں کے ان کفریہ الفاظ کو نہیں دہراتے لہٰذا انہیں ان کے زمرے میں کیوں شامل کیا جائے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کوئی کفر کرے اور توبہ کے بغیر اس کی موت واقع ہو جائے تو موت اس کے کفر کو ختم نہیں کرتی۔ کافر کو مرنے کے بعد بھی کافر ہی کہا جاتا ہے اگر کوئی یہ کہے کہ ہوسکتا ہے کہ بے ادبی کرنے والوں نے توبہ کرلی ہو تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ ان لوگوں کی توبہ کا خیال وہی کرے گا جو ان کے کفر کو تسلیم کرے گا، جب دیوبندی وہابی اپنے بڑے علما کے کفر کو کفر ہی ماننے کے روادار نہیں تو ان کے نزدیک ان کی توبہ کا خیال کیسے ممکن ہوگا۔ رہی یہ بات کہ موجودہ دیوبندیوں وہابیوں کو ان کے زمرے میں کیوں شامل کیا جائے تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ خود علمائے دیوبند کا فرمان ہے کہ کفر کو کفر نہ ماننا بھی کفر ہے اور کافر کو مسلمان کہنا خود کافر ہونا ہے۔ اگر موجودہ دیوبندی وہابی اپنے بڑوں کے کفریہ کلمات نہیں دہراتے تو سوال یہ ہے کہ یہ ان کے کفریہ کلمات کو کفریہ مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر کفریہ مانتے ہیں تو ان کلمات کے کہنے اور ماننے والوں کو کافر مانتے ہیں یا نہیں؟

اور ان کفریہ کلمات کے کہنے والوں کو مسلمان ماننے والے لوگوں کو کافر مانتے ہیں یا نہیں؟ اگر کافر نہیں مانتے تو خود دیوبندی وہابی علما کا یہ کہنا ہے کہ کافر کو کافر نہ ماننا بلکہ مسلمان کہنا یہ کفر ہے اور ایسا کرنا خود کافر ہونا ہے۔

قارئین شاید یہ خیال کریں کہ ان لوگوں کے کفر پر کیوں اصرار ہے؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ یہ اس ہستی کی عزت وناموس کا مسئلہ ہے جس پر ایمان کا انحصار ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عزت سے بڑھ کر مخلوق خدا میں کسی کی عزت نہیں۔ دیوبندی وہابی علما تو اپنے عقائد میں اس قدر تشدد پسند ہیں کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم منانے والوں سے نکاح کو ناجائز

کہتے ہیں، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یا علی رضی اللہ عنہ اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کہنے والوں کو مشرک کہتے ہیں، اولیائے کرام رضی اللہ عنہم کے عرس منانے والوں کو بدعتی اور جہنمی کہتے ہیں، محبت سے اولیا کے مزارات اور ان کے غلاف کو چومنے والوں کو قبر پجاری اور مشرک کہتے ہیں۔ دیوبندی وہابی ملاں اگر نیک، جائز اور مبارک کام کرنے والوں کو خواہ مخواہ مشرک و بدعتی اور جہنمی کہتے رہیں تو کسی کو کوئی پریشانی نہ ہو اور اگر نبیوں کے نبی، افضل الخلق، رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گستاخی و بے ادبی کرنے والوں پر کفر کا حکم لگایا جائے اور خود دیوبندی وہابیوں کے فتویٰ کے مطابق لگایا جائے تو دیوبندی ملت یا ان کے حامیوں کا تلملانا ہرگز درست نہیں بلکہ انہیں سچ اور حقیقت کو قبول کرنا چاہیے اور کفر سے توبہ کر کے اپنے ایمان کو بچانا چاہیے۔

دیوبندی وہابی گروہ کے علاوہ دوسرا گروہ نجدی وہابیوں کا ہے جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار ہیں جنہیں صرف وہابی یا نجدی وہابی کہا جاتا ہے ان کے بارے میں جناب حسین احمد مدنی نے اپنی کتابوں الشہاب الثاقب اور نقش حیات میں اور جناب اشرفعلی تھانوی نے افاضات یومیہ اور تمام علمائے دیوبند نے المہند وغیرہ میں صاف طور پر لکھا ہے کہ محمد بن عبدالوہاب نجدی فاسق و ظالم اور کافر تھا اور اس کے پیروکاروں کو وہابیہ خبیثہ اور طائفہ شنیعہ لکھا ہے۔ (تفصیل کے لیے میری کتاب ''سفید و سیاہ'' ملاحظہ فرمائیں)۔ موجودہ دیوبندی وہابی خود کو عرب کے نجدی وہابیوں کا ہم نوا ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان نجدی وہابیوں کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اگر یہ واقعی ان کے ہم نوا ہیں اور انہیں درست جانتے ہیں تو اپنے بڑوں کی ان تحریروں کو غلط اور باطل ثابت کریں جن میں نجدی وہابیوں کے گندے عقیدے لکھ کر ان کو برا کہا گیا ہے اور تمام دیوبندی ان نجدیوں کے گندے عقیدوں سے اپنی وابستگی اور تائید و تصدیق کا اعلان کریں اور نجدی وہابیوں کے عقائد کے خلاف تمام دیوبندی علما کی ان تمام تحریروں کی تائید کرنے والوں کو بھی غلط قرار دیں تاکہ سچی ہم نوائی ثابت ہو۔ یہ کیسی ہم نوائی ہے کہ نجدی وہابیوں کے خلاف اپنے بڑوں کی تحریروں کی اشاعت بھی جاری ہے اور نجدی وہابیوں کے عقائد کے مطابق عقیدہ و عمل بھی ہے۔

یہ تو نجدی وہابیوں سے پیسے بٹورنے کے لیے منافقانہ چال اور چاپلوسی ہے اور کھلے لفظوں میں مذہب فروشی ہے۔ جو لوگ علما کہلا کر چند سکوں کے عوض عقائد و نظریات کی سودے بازی کر لیتے ہوں وہ سادہ لوح عوام کو کس کس طرح نہیں بہکاتے ہوں گے۔

اس تفصیل سے قارئین نے اچھی طرح جان لیا ہوگا کہ فاسق فی العقیدہ معلن اور غیر معلن کی پہچان کیسے ہوگی اور یہ بھی جان لیا ہوگا کہ سچا مسلمان کون ہے۔ وہ تمام دیوبندی وہابی اور نجدی وہابی جو اپنے بڑوں کی کفریہ عبارات کو درست مانتے ہیں اور ان عبارات کے کہنے اور ماننے والوں کو مسلمان جانتے ہیں، شریعت کے واضح احکام کے مطابق ان لوگوں کی اپنی نماز قائم نہیں ہوتی تو ان کی اقتدا میں کسی مسلمان کی نماز کیسے ادا ہو سکتی ہے۔

دیوبندی وہابی علما کا بھی یہ کہنا ہے کہ ''مقتدی اور امام کے عقائد و مذہب میں اس حد تک فرق ہو کہ بات کفر و شرک تک پہنچے تو نماز ادا ہونا کجا نماز قائم بھی نہیں ہوتی''۔ (احسن الفتاویٰ از مفتی رشید احمد لدھیانوی)۔ ''مسائل امامت'' کے نام سے دارالعلوم دیوبند کے مفتیوں کی مصدقہ کتاب میں محمد رفعت قاسمی صاحب نے مودودی صاحب کے پیروکار (جماعت اسلامی کے لوگوں) شیعہ، اہل حدیث اور منکرین حدیث اور غیر مقلدین کے پیچھے نماز ادا کرنے سے منع کیا ہے۔ اور حنفی کو ایسے شافعی و حنبلی کی اقتدا سے بھی منع کیا ہے جو حنفی مذہب کے مطابق رعایت نہ کرے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جس شخص کے کفریہ عقائد کا بعد میں پتا چلے، اس شخص کے کفر کا غالب گمان جب ہو جائے تو اس کے پیچھے ادا کی ہوئی نمازوں کو دہرانا فرض ہے''۔ (ص ۸۳۔۱۰۱۔۱۱۵)

محمد رفعت قاسمی صاحب نے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ کے عقائد رکھنے والے صحیح العقیدہ سنی ''بریلویوں'' کے پیچھے بھی نماز کو نادرست لکھا ہے اس سلسلے میں صرف یہ عرض ہے کہ محمد رفعت قاسمی صاحب تو نہیں معلوم کس درجے میں ہیں، دیوبندی وہابی علما کے تو ''حکیم الامت'' اشرفعلی تھانوی صاحب نے بھی بریلویوں کے پیچھے نماز کو درست فرمایا ہے۔ ''افضات یومیہ'' البتہ ہم اہل سنت و جماعت سنی جنہیں

کچھ لوگ بریلوی بھی کہتے ہیں۔ جو ان دیوبندیوں وہابیوں کے پیچھے نماز ادا کرنے کو منع کرتے ہیں، اس کی اصل وجہ یہ خادم اہل سنت تفصیل سے بیان کر چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے ادب یا بے ادب کی حمایت وتائید کرنے والے کی اقتدا کسی طرح درست نہیں۔ قارئین اپنی قلبی طمانینت اور اپنے یقین کی پختگی کے لیے ایک حدیث شریف ملاحظہ فرمائیں۔

**ان رجلا ام قوما فبصق فی القبلة و رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم ینظر فقال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم لقومه حین فراغ لا یصلی لکم فاراد بعد ذلك ان یصلی لهم فمنعوه فاخبروه بقول رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فذکر ذلك رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فقال نعم و حسبت انه قال انك قد اذیت الله رسوله۔**

(ترجمہ:۔ایک شخص ایک قوم کا امام تھا تو اس نے قبلہ کی سمت تھوکا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھ لیا تو فرمایا (یہ شخص اس نماز سے) فارغ ہونے کے بعد آئندہ (امام بن کر) تمہیں نماز نہ پڑھائے، پس اس (وقت) کے بعد جب اس شخص نے اس قوم کو (اپنی امامت میں) نماز پڑھانا چاہی تو قوم نے اس کو (امام بننے سے) روک دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد (کہ اس کو امام نہ بنانا) کی خبر دی تو اس شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس (ارشاد) کا ذکر کیا (کہ کیا آپ نے واقعی لوگوں کو میرے پیچھے نماز ادا کرنے سے روکا ہے؟) تو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) فرمایا، ہاں (میں نے روکا ہے)

حدیث کے راوی حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے گمان ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے یہ بھی فرمایا بیشک تم نے (قبلہ کی سمت تھوک کر) اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی ہے۔

اس حدیث شریف سے چند باتیں واضح طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

ا۔نماز والے امام صاحب بلاشبہ صحابی رسول تھے اور یہ طے ہے کہ صحابی کا درجہ ہر غیر صحابی سے افضل ہے، یہاں تک کہ کوئی غوث، قطب وغیرہ بھی صحابی کے برابر نہیں ہوسکتا۔

۲۔صحابی رسول نے قبلہ کی سمت نادانستہ تھوکا، یا ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ بیت اللہ شریف کی سمت میں تھوکنا بیت اللہ شریف کی بے ادبی ہے۔

۳۔قبلہ کی سمت میں تھوکنے سے اس امام کا مقصد ہرگز ہرگز، اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچانا نہیں تھا۔

۴۔قبلہ کی سمت میں تھوکنا اس امام کی عادت نہیں تھی۔

۵۔قبلہ کے سمت کی بے ادبی بھی ایسی بے ادبی ہے جو امامت صغریٰ کا اہل بھی نہیں رہنے دیتی۔

۶۔صرف قبلہ کی سمت کا احترام نہ کرنا بھی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا باعث ہے۔

قارئین اندازہ کرلیں گے جب صحابی رسول جیسی مقدس ہستی سے نادانستہ طور پر کعبے کی سمت بے ادبی ہوئی اور وہ امامت کے لیے نااہل قرار دیے گئے، تو جو لوگ کعبۃ اللہ کے بھی کعبہ اور ایمان کی جان، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیدہ ودانستہ بے ادبی کریں اور بے ادبی کو بھی بے ادبی نہ مان کر ہٹ دھرمی کریں، وہ خواہ کتنے بڑے عالم وفاضل وغیرہ کہلاتے ہوں، وہ بلاشبہ یقیناً قطعاً امامت کے لائق نہیں ہوسکتے، کیوں کہ وہ لوگ بلاشبہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخت اذیت کا باعث ہیں۔(اللھم احفظنا منھم)

خلاصہ کلام یہ کہ فسق (نافرمانی) اگر اعتقادی ہو اور فاسق (نافرمان) کھلے عام، اعلانیہ اپنے ایسے عقیدوں پر قائم ہو جو کہ کفر وشرک کی حد کو پہنچے ہوئے ہوں، ان کے بارے میں فقہائے اسلام کا ارشاد یہ ہے کہ کوئی شخص اگر ضروریات دین کا منکر نہ ہو لیکن اسلام کے کسی قطعی اصول، حکم اور قاعدے ضابطے کا بھی منکر یا مخالف ہو تو وہ شخص کافر ہے اور اس کے پیچھے نماز باطل ہے، ہرگز ہرگز ایسا شخص امامت کے لائق نہیں۔ متکلمین علمائے دین ایسے شخص کی تکفیر (کافر قرار دینے) میں احتیاط برتتے ہیں، مگر ایسے شخص کی امامت کے بارے میں ان کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ نماز فاسد ہوگی یعنی ایسے شخص کی تکفیر میں جو احتیاط

پیش نظر ہے وہی احتیاط ایسے شخص کو امام بنانے میں بھی پیش نظر ہوگی اور اسی احتیاط کا تقاضا ہے کہ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے۔

فان الصلوٰۃ اذا صحت من وجوہ و فسدت من وجہ حکم بفسادھا۔

اور وہ شخص جس کا فسق اعتقادی، کفر و شرک کی حد کو نہ پہنچا ہو، وہ فاسق غیر معلن اعتقادی ہے اس کے پیچھے نماز ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور جو لوگ اس شخص کی اقتدا کرتے ہوں ان سب کو نماز کا اعادہ (دہرانا) واجب (ضروری) ہے، کیوں کہ واجب اور تحریم ایک ہی مرتبہ میں ہیں یعنی جن شرائط کے ساتھ کسی کام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے انہیں شرائط کی بنیاد پر کسی کام کی تحریم (حرام ہونا) ثابت ہوتی ہے۔ قارئین کرام گزشتہ صفحات میں امام اور مقتدی کی نماز وابستہ ہونے کی شرائط میں ملاحظہ کر چکے ہیں کہ پہلی شرط ''اسلام'' ہے۔ اگر امام اپنے عقیدہ و نظریات کے لحاظ سے مسلمان ہی نہیں تو اس کی امامت کا تصور ہی باطل ہے، جب امام کی اپنی نماز صحیح اور قائم نہیں ہوگی تو اقتدا کی شرط بھی قائم نہیں ہوگی اور اقتدا کی یہ شرط ہے کہ امام کی اپنی نماز صحیح ہو ورنہ مقتدی کی نماز اس امام سے وابستہ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جائے گا۔

اس معاملے میں قارئین کے لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ کسی شخص کے اعتقادی فسق (کفریہ عقائد) پر یقینی اطلاع ضروری ہے۔ عام مسلمانوں میں اس شخص کے عقائد کی شہرت اس بات کے یقین کے لیے کافی ہے اور عام مسلمان اس شخص کی شہرت کے مطابق احتیاط برتیں۔ اور اہل علم کو حتی الوسع تحقیق کرنا ضروری ہے اور تحقیق کے بعد اعلان بھی ضروری ہے، تاکہ عام مسلمان اپنی نمازوں کا تحفظ کر سکیں۔ واضح رہے کہ اگر کوئی شخص ضروریات دین اور قطعیات کا منکر و مخالف ہو، تو ضروریات دین میں تاویل وغیرہ ہرگز ہرگز قابل قبول نہیں، چنانچہ افاضات یومیہ ص ۶۰ ج ۷ پر جناب اشرفعلی تھانوی فرماتے ہیں کہ ''ضروریات دین میں تاویل دافع کفر نہیں''۔ اس معاملے میں مصلحت کا دعویٰ و بہانہ بھی باطل ہے۔ علمائے دین کا فرض ہے کہ وہ مسلم عوام کے عقائد و نظریات کی حفاظت کے لیے

حق بات لوگوں تک پہنچائیں اور مسلم عوام پر لازم ہے کہ وہ صحیح العقیدہ علمائے حق علمائے دین سے حقائق دریافت کریں اور علمائے حق انہیں جو حقائق بتائیں، عوام ان حقائق کو دل و جان سے تسلیم کریں۔

اعتقادی فاسق کے احکام کی اس تفصیل کے بعد عملی فاسق کے احکام سوال نمبر ۴ کے جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

سوال نمبر ۴: حدیث شریف میں ہے کہ ''صلوا خلف کل بروفاجر'' اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس حدیث شریف ''صلوا خلف کل بروفاجر'' کا ترجمہ یہ ہے کہ ''ہر نیک و بد کے پیچھے نماز ادا کرلو''۔ محدثین علمائے دین فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عملی فاسق کے بارے میں فرمایا گیا ہے، کیوں کہ اعتقادی فاسق کے پیچھے نماز ادا کرنے کی گنجائش ہی نہیں۔ جو شخص عملی فاسق ہو، اس کے بارے میں یہ دیکھا جائے گا کہ وہ شخص کبیرہ (بڑے) گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے یا صغیرہ (چھوٹے) گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے؟ یہ بھی دیکھا جائے گا کہ وہ کھلے عام گناہ کرتا ہے، یا چھپ چھپ کر نافرمانی کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس کی شہرت کا احوال بھی پیش نظر رکھا جائے اور ضرورت پر تحقیق و تفتیش بھی کی جائے، کیوں کہ عملی فسق میں معلن (اعلانیہ) اور غیر معلن کا معاملہ اعتقادی فاسق کی طرح سنگین اور شدید نہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ابتدا سے انتہا تک کے احوال کا علم عطا فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کے عطا کیے ہوئے علم سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے تھے کہ ان کی امت کے اکابر و اصاغر (بادشاہ عوام) کیسے ہوں گے۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص یہ جانتا ہے کہ خلفائے اسلام، ملت اسلامیہ کی قیادت صرف سیاسی معاملات ہی میں نہیں کرتے تھے بلکہ نمازوں کی امامت بھی وہی کرتے تھے۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے اور بتائے ہوئے راستے کے مطابق نیابت و خلافت) کی مدت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد تیس برس تھی، جو بالترتیب حضرت

سیدنا ابوبکر صدیق، حضرت سیدنا عمر فاروق، حضرت سیدنا عثمان غنی، حضرت سیدنا علی مرتضیٰ اور حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہم کے زمانہ ہائے خلافت میں پوری ہوگئی۔ اس کے بعد ملوکیت (پادشاہت) شروع ہوگئی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے ملک (پادشاہ) ہوئے۔ امامت کبریٰ (بڑی امامت) کے لیے اہلیت کی جو شرائط قرآن وسنت کے واضح احکام میں ہیں، سلطنت اسلامیہ میں یکے بعد دیگرے اقتدار سنبھالنے والے سب ملوک (پادشاہان) میں وہ نہیں پائی جاتی تھیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ ایسے امرا اور حکام بھی ہوں گے، جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہوں گے اور لوگوں پر ظلم و جبر کر کے انہیں ناخوش رکھیں گے اور لوگوں کی مرضی کے بغیر ان پر مسلط رہیں گے۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عنقریب میرے بعد ایسے حکم کرنے والے ہوں گے جو تمہیں ان باتوں کا حکم دیں گے جن میں تم بھلائی نہیں دیکھو گے اور وہ کچھ کریں گے جس کو تم برا جانو گے''۔ ایک حدیث شریف میں فرمایا کہ ''میرے بعد وہ لوگ تم پر امیر ہوں گے جو نمازوں کو ان کے وقت سے مؤخر کریں گے یعنی اپنی طبیعت اور حکم کے مطابق نماز کے اوقات چاہیں گے''۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جانتے تھے کہ صالح اور شریف لوگ، ایسے حکام کی اقتدا کو اپنے دل سے ہرگز پسند نہیں کریں گے اور انکار کی صورت میں حکام کے ظلم وستم کا نشانہ بنیں گے اور ایسے امرا سے اختلاف ضرور فتنہ وفساد اور تباہی کا باعث ہوگا اور ارشاد ربانی ہے کہ ''والفتنۃ اشد من القتل'' اور فتنہ بہت شدید ہے قتل سے، یعنی قتل کا جرم شدید ہے مگر فتنہ کرنا اس سے بہت زیادہ شدید ہے۔ اس لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملے میں فتنہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ ''صلوا خلف کل بر وفاجر'' کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو، یعنی وہ شخص جو اپنی بدعملی کے سبب امامت کا صحیح اہل تو نہیں اور تم اسے امام بنانا پسند بھی نہیں کرتے اور بآسانی اس کو امامت سے الگ بھی نہیں کر سکتے تو ایسی صورت میں یہی فیصلہ ہے کہ عملی فاسق کے پیچھے نماز ادا کرنے کا جبر پایا جائے تو مجبوراً نماز ادا کر لی جائے۔ اور امام فاسق معلن عملی ہو تو

اپنی نماز کو ضرور دہرا لے کیوں کہ فاسق معلن کے پیچھے نماز کی ادائیگی مکروہ تحریمی ہے جس کا اعادہ (دہرانا) واجب ہے اور اگر امام فاسق غیر معلن عملی ہو تو اس کے پیچھے نماز کی ادائیگی مکروہ تنزیہی ہے جس کا اعادہ (دہرانا) ضروری نہیں اور جن صورتوں میں تحریمی کراہت کا حکم ہے ان میں نیک و بد سب کو نماز دہرانی ضروری ہوگی۔

اب پندرہویں صدی ہجری میں وہ حالات نہیں جو خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بعد اسلامی سلطنت میں تھے۔ اب متعدد اسلامی ممالک ہیں اور ان سب میں مکمل اسلامی نظام بھی رائج نہیں اور سربراہان حکومت اب نمازوں کی خود امامت نہیں کرتے۔ برصغیر پاک و ہند میں اور ان علاقوں کے باشندے جو دنیا بھر کے علاقوں میں رہتے ہیں، مساجد کے ایک نظام کے خوگر ہیں۔ اب اماموں کا تقرر، مسجدوں کی کمیٹیاں کرتی ہیں۔ کمیٹی کے ارکان کو مسجد کا امام مقرر کرتے ہوئے شریعت و سنت کے احکام کا خیال رکھنا چاہیے اور اس شخص کو امام مقرر کرنا چاہیے جو ایمان و عقائد اور تقویٰ و عمل میں صحیح ہو۔ اور ان لوگوں کو ہرگز امام نہیں بنانا چاہیے جن کی اپنی نماز قائم نہیں ہوتی، تاکہ وہ مسلمان جو مسجد انتظامیہ پر بھروسا کرتے ہوئے ان کے مقرر کئے ہوئے امام کے پیچھے نماز ادا کرنے آتے ہیں، ان کی نمازیں فاسد (خراب) نہ ہوں اور مساجد کی کمیٹیوں کے ارکان بھی گناہ گار نہ ہوں۔ اور علما و مولوی کہلانے والے ان لوگوں کو بھی امامت کی خواہش نہیں کرنی چاہئے جو عقیدہ و عمل کے لحاظ سے درست نہ ہوں، کیوں کہ امام اپنے مقتدیوں کی نماز کا بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس ذمہ داری کا مؤاخذہ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا میں کسی ضد کی وجہ سے اپنی غلطی و کوتاہی کا اعتراف نہ کرتا ہو، مگر اسے یاد رکھنا چاہیے کہ بارگاہ الٰہی میں اسے جواب دہ ہونا ہے۔

امامت صرف وہ لوگ کریں جو اس بات کی اہمیت کو سمجھتے ہوں کہ خود ان کی اپنی نماز، صحیح قائم ہوتی ہے اور ان کے مقتدیوں کی نماز بھی ان کے پیچھے درست ہوگی۔ وہ لوگ نماز کو خراب کرنے والی باتوں سے اجتناب کرتے ہوں اور اگر کسی شخص کو کہیں امام مقرر کر دیا جائے تو وہ محض اپنی تقرری کو اپنی اہلیت کی دلیل نہ سمجھے بلکہ علم نہ رکھنے کی صورت میں اہل

علم سے حقائق معلوم کرے اور اپنی اصلاح کرے۔ اگر کسی امام کے مقتدی اس کی اقتدا کو ناپسند کرتے ہوں اور ناپسندیدگی کی وجہ شرعی اور معقول ہو، تو خوامخواہ ضد اور ہٹ دھرمی کرتے ہوئے امامت پر قابض نہیں رہنا چاہیے اور فتنہ کی راہ ہموار نہیں کرنی چاہیے۔

اگر امام کو ناپسند کرنے والے افراد زیادہ ہوں، تو ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے امام کو امامت سے الگ ہونا چاہیے اور اگر کچھ لوگ بغیر کسی معقول وجہ کے ناپسند کریں تو ایسی صورت میں چند افراد کی ناپسندیدگی کی پرواہ نہیں کی جائے گی، مگر یہ قانون اس امام کے لیے ہے جس کے عقائد میں کوئی خرابی نہ ہو، غلط عقیدے والا شخص ہرگز امامت کے لائق نہیں۔

چنانچہ جناب محمد رفعت قاسمی دیوبندی اپنی تالیف مسائل امامت کے ص ۸۰ پر لکھتے ہیں کہ "کتب فقہ میں ہے کہ اگر امام میں کوئی نقص نہ ہو تو مقتدیوں کی ناراضی کا اثر نماز میں کچھ نہیں، امام کی نماز بلا کراہت درست ہے اور گناہ مقتدیوں پر ہے اور اگر امام میں کچھ شرعی نقص ہو اور مقتدی اس (نقص کی) وجہ سے ناخوش ہوں تو امام کے اوپر مؤاخذہ ہے اور اس کا امام بننا مکروہ (تحریمی) ہے"۔

قاسمی صاحب ص ۱۲۱ پر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "امامت کا مسئلہ بڑا اہم اور عظیم الشان ہے اس لیے امام اعلیٰ درجہ کا متقی و پرہیزگار، عالم، عامل، عاقل، اخلاق حمیدہ سے متصف، حسن قراءت سے اچھی طرح واقف، صحیح العقیدہ، تندرست و وجیہ، نماز کے مسائل کا جاننے والا اور ظاہری عیوب سے پاک ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کے امام کی حیثیت فوج کے کمانڈر سے زیادہ ہی ہے اور فوجی افسر ظاہری عیب والا یعنی اندھا، لولا، ہاتھ کٹا، لنگڑا، یک چشم، بیمار، اپاہج وغیرہ نہیں ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ نماز پڑھنے والوں نے امام کو اپنی مرضی اور خوشی سے امامت کے لیے مقرر کیا ہو اور اس کی امامت دل و جان سے قبول کرتے ہوں"۔

مزید لکھتے ہیں کہ "فاسق کا امام بننا مکروہ ہے۔ ہاں وہ اپنے جیسے (فاسق) کا امام ہو تو مکروہ نہیں ہے"۔ (ص ۱۲۲)

''اس شخص کی امامت مکروہ ہے جو فروعی مسائل میں مقتدی کے مسلک سے اختلاف رکھتا ہو، بشرطیکہ اس امر کا اندیشہ ہو کہ وہ ایسے اختلاف کی پرواہ نہ کرے گا جس سے نماز یا وضو جاتا رہتا ہے۔ لیکن اس امر میں شک نہ ہو۔ بایں طور کہ وہ جانتا ہو کہ اسے اختلاف کی پرواہ ہے یا یہ کہ اسے اس اختلاف کا علم ہی نہیں تو امامت مکروہ نہ ہوگی''۔ (ص ۱۲۳)

''اس شخص کا امام بننا مکروہ ہے جسے لوگ ناپسند کرتے ہوں اور اس کی کسی دینی خرابی کے باعث اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے کتراتے ہوں''۔ (ص ۱۲۳)

قاسمی صاحب کی کتاب ''مسائل امامت'' پر دارالعلوم دیوبند کے بڑے مفتیان کرام کے تائیدی وتصدیقی کلمات اور دستخط بھی ہیں، لہٰذا دارالعلوم دیوبند کی اس مصدقہ کتاب سے بھی یہ وضاحت ہوگئی کہ باجماعت نماز میں امام اور مقتدی کا ہم عقیدہ ہونا ضروری ہے اور اختلاف عقائد کی صورت میں مقتدی کی نماز، امام کی نماز سے وابستہ نہیں کی جاسکتی اور فاسق فی العمل کے احکام کی وضاحت بھی ہوگئی۔ اس وضاحت کے بعد قارئین کی معلومات کے لیے ضروری سمجھتا ہوں کہ فقہائے کرام علمائے اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان افراد کی ایک مختصر فہرست یہاں درج کردوں جن کے پیچھے نماز باجماعت ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے اور ایسے لوگوں کے پیچھے پڑھی جانے والی نماز کا اعادہ ضروری ہے (☆)

۱۔ فاسق معلن عملی، جو کھلم کھلا، اعلانیہ گناہ کبیرہ کرتا ہو۔

۲۔ داڑھی مونڈنے، مونڈانے اور مسنون حد یعنی ایک مشت سے کم داڑھی والا۔

۳۔ سود لینے اور سود دینے والا (علمائے دین نے بینک کی ملازمت کو بھی سودی لین دین میں شمار کیا ہے)۔

۴۔ ائمہ اربعہ (حضرت امام اعظم سیدنا نعمان بن ثابت ابوحنیفہ، حضرت امام ادریس شافعی، حضرت امام محمد مالک، حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم) کی تقلید کا انکار کرنے والا (غیر مقلد)

☆ یہ وضاحت ضروری ہے کہ اگر نماز ادا کرتے ہوئے ارکان نماز میں سے کوئی فرض رہ جائے تو نماز کا دہرانا فرض ہے اور اسی طرح کسی واجب کام کا چھوڑ دینا یا مکروہ تحریمی کام کرنے سے نماز دہرانا واجب ہوجاتا ہے اور کسی سنت کام کے چھوڑ دینے سے نماز دہرانا سنت ہے۔

۵۔حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہما سے افضل جاننے والا (تفضیلی)۔

۶۔حضرت امیر معاویہ، حضرت ابوسفیان، حضرت عمرو بن عاص، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ہندہ رضی اللہ عنہم یا کسی اور صحابی رسول کی بے قدری و بے ادبی کرنے والا (تفسیقی)

۷۔جس کی امامت سے لوگ کسی معقول اور شرعی وجہ سے ناخوش ہوں۔

۸۔نماز میں جو باتیں مکروہ (بری اور ناگوار) ہیں، ان کا خیال کئے بغیر نماز پڑھانے والا۔

۹۔سنت مؤکدہ (تاکیدی سنتوں) کا چھوڑنے والا۔

۱۰۔نماز میں قرآن کریم کی قراءت اس طرح کرنے والا کہ آیات قرآنی میں اتنا وقفہ کرے جس وقفہ میں تین مرتبہ ''سبحان اللہ'' بآسانی کہا جاسکے۔

۱۱۔سنت کے مطابق حد سے زیادہ قرآن کی اتنی قراءت کرنے والا کہ نمازیوں پر گراں گزرے۔

۱۲۔سونے یا چاندی کا کوئی زیور یا خالص ریشم پہننے والا۔ (چاندی کی ایک انگوٹھی اور بغیر چین کے سونے کے بٹن کے علاوہ)

۱۳۔نصف کلائی سے لباس کی آستین اونچی رکھنے والا۔

۱۴۔بیچ (درمیان) سر سے اپنی دستار، پگڑی کا کھلا رکھنے والا یعنی بغیر ٹوپی کے دستار پہننے والا۔

۱۵۔گلے میں چادر، صافہ اور شال وغیرہ کا اس طرح لٹکانے اور گلے میں ڈالنے والا کہ دو طرفہ دونوں پلو لٹکتے ہوں۔

۱۶۔شیروانی، اچکن، جبہ وکوٹ وغیرہ کا اس طرح پہننے والا کہ آستین میں ہاتھ بازو نہ ڈالے۔

۱۷۔ایسا کپڑا اوڑھ کر نماز پڑھانے والا کہ ہاتھ بھی کپڑے سے باہر ظاہر نہ ہوں۔

۱۸۔منہ اور ناک ڈھکنے (چھپانے) والا۔

۱۹۔نمازوں کو ادا نہ کرنے والا (تارک نماز)۔

۲۰۔خود سے خواہ مخواہ اور ارادہ سے جماہی لینے والا (اگر جماہی خود بخود آئے تو ہونٹ دبا کر اسے روکا جائے ایک ہاتھ منہ پر رکھا جائے)۔

۲۱۔نماز میں انگلیاں چٹخانے والا یا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کرنے (جکڑنے) والا اور ہاتھوں سے کنکریاں ہٹانے والا اور کمر پر ہاتھ رکھنے والا۔

۲۲۔نماز میں آسمان کی طرف دیکھنے والا۔

۲۳۔نماز شروع کرنے سے پہلے لباس کے جوڑ یا بٹن اور انگرکھے (اچکن) کا دامن نہ باندھنے والا نماز میں باندھنے والا۔

۲۴۔دونوں ہاتھوں سے نماز میں کوئی ایسا کام کرنے والا جو عمل کثیر ہو یا جس سے توجہ منتشر ہوتی ہو اور جس کام کے کرنے سے کوئی دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے۔

۲۵۔لوگوں کی غیبت کرنے والا، تہمتیں دھرنے والا، فحش گالیاں دینے والا، بدکلامی بے ہودہ گوئی کرنے والا۔

۲۶۔پاکی ناپاکی کا خیال نہ رکھنے والا۔

۲۷۔سینما، رقص اور بے حیائی کے کاموں سے دلچسپی رکھنے والا۔

۲۸۔جوا یا لاٹری کے ٹکٹ وغیرہ میں دلچسپی رکھنے والا۔

۲۹۔غیر شرعی لوگوں یا غیر شرعی امور کے حامیوں کی حمایت کرنے والا۔

۳۰۔والدین کا وہ نافرمان جسے والدین نے عاق کر دیا ہو۔

۳۱۔پیشاب پاخانہ یا ریح (ہوا) کی حاجت وضرورت روک کر نماز پڑھنے والا۔

۳۲۔اپنے جسم کے سات اعضا پر سجدہ نہ کرنے والا، (پیشانی، دونوں ہاتھ، دونوں گھٹنے اور دونوں پنجوں کی انگلیاں زمین پر اچھی طرح نہ ٹکانے (جمانے) والا۔

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ بعض باتوں سے صرف تنزیہی کراہت ہوتی ہے، ان میں مقتدیوں کو نماز کا اعادہ ضروری نہیں البتہ جو شخص فتویٰ کے ساتھ ساتھ تقویٰ کا اعلیٰ درجہ خیال رکھے، وہ ہر کراہت سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اگر اس سے معمولی سی کراہت کا ارتکاب بھی ہو جائے تو وہ اپنی نماز دہرالیتا ہے۔ ہدایہ اولین میں ہے کہ ''وتعاد علی وجه غیر مکروه وهو الحکم فی صلوة ادیت مع الکراهة'' (اور نماز دہرائی جائے غیر مکروہ طریقے پر، اور یہی حکم ہر اس نماز کا ہے جو تنزیہی کراہت سے ادا کی جائے) ''والتفصیل بین کون تلك الکراهة تحریم فستجب الاعادة او تنزیهه فتستحب فان کراهة التحریم فی رتبة الواجب'' (فتح القدیر ص ۲۹۶، ج ۱)۔ اور اگر تحریمی کراہت ہو تو نماز کا دہرانا واجب ہے کیوں کہ تحریمی کراہت واجب کے رتبے میں ہے اور تنزیہی کراہت پر نماز کا دہرانا پسندیدہ ہے۔

یہاں یہ عرض بھی ضروری ہے کہ عوام میں بعض باتیں بے وجہ موضوع بن جاتی ہیں اور کبھی کبھی شدت اختیار کر جاتی ہیں ہم سب کی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ بغیر تحقیق ہر کسی سے سنی ہوئی بات پر اختلاف نہ کریں جب تک کہ اہل علم سے اصل حقیقت معلوم نہ کرلیں البتہ علمائے حق جو بتائیں اس میں تردد نہ کریں۔ بعض لوگ نابینا شخص کی امامت کو بالکل درست نہیں جانتے۔ کچھ لوگ غیر شادی شدہ شخص کی امامت پر اعتراض کرتے ہیں، کچھ لوگ غیر سید کی امامت کو کم تر کہتے ہیں، کچھ لوگ اعضائے جسمانی کا صحیح تناسب نہ رکھنے والے کی امامت کو ناجائز کہتے ہیں۔

نابینا شخص کی امامت کو مکروہ تنزیہی بتایا گیا ہے، اس وقت جب کہ مقتدیوں میں اس نابینا سے بہتر شخص موجود ہو اگر ایک شخص باقی تمام لحاظ سے بہتر ہے مگر بینائی سے محروم ہے اور صفائی ستھرائی کا خیال رکھنے والا ہے، تو ایسی صورت میں اس نابینا شخص کی امامت میں کوئی کراہت نہیں۔ اصحاب نبوی رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ ظاہری بصارت نہیں رکھتے تھے مگر وہ بھی امامت کرتے تھے، کچھ اور نابینا صحابہ کی بھی

روایات کتابوں میں ہیں۔ (شاید یہاں کسی کو شبہ ہو کہ صحابی تو اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے ایمان کے ساتھ دنیا کی زندگی میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی ہو، لہٰذا نابینا شخص کیسے صحابی ہو گیا؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ لفظ ''صحابی'' صحبت سے ہے۔ جس شخص کو ایمان کے ساتھ دنیا کی زندگی میں رسول کریم ﷺ کی ملاقات وصحبت کی سعادت حاصل ہوئی اسے صحابیت کا اعزاز و امتیاز حاصل ہو گیا)۔ ایسا نابینا شخص جو صفائی اور پاکیزگی کا خیال نہ رکھے اس کی امامت درست نہیں۔

امامت کے لیے شادی شدہ ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ عوام میں بعض کا جو یہ خیال ہے کہ غیر شادی شدہ شخص امامت کرنے یا نکاح پڑھانے کا اہل نہیں یہ غلط ہے، شریعت وسنت کے احکام میں امامت کے لیے شادی شدہ ہونا ہرگز ضروری شرط نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص پاک باز نہ ہو، تو اسے لوگوں کو اعتراض کا موقع نہیں دینا چاہیے، اگر وہ شادی نہیں کرتا اور لوگ اس کے بارے میں مطمئن نہ ہوں، تو اس شخص کو ایسی جگہ امامت پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ جو شخص عمر کے لحاظ سے جوان ہو مگر پاک باز ہو اور ذہن بھی پراگندہ خیالات میں الجھا نہ رہتا ہو، اس کی امامت میں ہرگز کوئی کراہت نہیں نہ ہی اس کے نکاح خواں ہونے میں کوئی قباحت ہے۔ کسی شخص کا صحیح النسب سید (اولادِ رسول) ہونا سعادت کی بات ہے اور نسبت رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے سبب سے اس شخص کی تعظیم وتکریم بہت اچھی بات ہے، لیکن سادات کے نانا جان ﷺ ہی کی شریعت وسنت کے احکام کے مطابق امامت کے لیے صرف سید ہونا کافی نہیں، البتہ مقتدیوں میں کوئی سید ہو اور علم وعمل کے اعتبار سے افضل یعنی عالم اور متقی ہو تو اس کی امامت زیادہ بابرکت ہوگی۔ یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ مسجد انتظامیہ نے جس شخص کو مسجد میں امام مقرر کیا ہو، اس مسجد میں وہی امام، نماز کی امامت کرے، البتہ وہ امام کسی وقت یہ دیکھے کہ کوئی ایسا شخص کبھی مسجد میں آیا ہو، جو دینی وشرعی حیثیت سے ممتاز ہو، اور متعین امام اس شخص کے علم وفضل سے آگاہ ہو تو امام خود اس شخص کو امامت کے لیے پیش کش کرے تو اس شخص کو وہاں امامت کرنی چاہیے،

متعین امام کی اجازت واطلاع کے بغیر کوئی شخص اس کی جگہ امامت نہ کرے۔

امام کا (جسمانی لحاظ سے بھی) تن درست، وجیہ ہونا اور اس کے اعضا کا متناسب ہونا یہ ان خوبیوں میں سے ہے، جن پر کسی شخص کا امامت کے لیے انتخاب کیا جاتا ہے۔ جسمانی اعضا کا غیر متناسب ہونا اس قدر ہو کہ ہر کوئی صاف محسوس کرے بلکہ کچھ لوگ کراہت کریں، تو ایسے شخص کی امامت بہتر نہیں بلکہ بعض صورتوں میں بالکل درست نہیں۔ ایسا شخص جس کا جسمانی عذر اس قدر نمایاں ہو مثلاً رکوع کی حالت تک جھکی ہوئی کمر، لنگڑا کہ پوری ٹانگ کٹی ہوئی ہو۔

ایک پیر یا دونوں صحیح حالت میں نہ ہوں یا کٹے ہوئے ہوں، لنجا (ہتھ کٹا) ایک بازو کہنی تک کٹا ہوا، یہ ایسی حالتیں ہیں جنہیں ہر کوئی واضح طور پر محسوس کر سکتا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں کراہت کا احساس ضرور ہوتا ہے اور یہ شبہ رہتا ہے کہ ایسے لوگ نماز کے ارکان پوری طرح ادا نہیں کر سکتے اور صفائی و پاکیزگی بھی پوری طرح نہیں رکھ سکتے اس لیے علمائے دین کی تعلیم یہی ہے کہ ایسے لوگوں کو امام نہ بنایا جائے اور بالخصوص ایسے موقع پر جب کہ ان سے بہتر اور صحیح وسالم لوگ موجود ہوں تو ایسے معذور شخص کی امامت ہرگز درست نہیں ہوگی۔ وہ لوگ جن میں کوئی جسمانی نقص ایسا پایا جائے کہ وہ معمولی ہو، مثلاً ایک چشم (کانا)، ہاتھ کی انگلیوں میں سے کوئی آدھی انگلی کٹی ہوئی یا مڑی ہوئی ہو، بہرا، پوپلا، (منہ میں دانت کم ہوں یا بالکل نہ ہوں)، کن کٹا (کان کا کچھ حصہ کٹا یا مڑا ہوا ہو) ایسے افراد کی امامت میں کوئی کراہت نہیں۔ اسی طرح کسی شدید اور مستقل مرض کہ جس سے لوگ کراہت کریں، اس مرض کے مریض کو بھی امامت نہیں کرنی چاہیے۔ اگر کوئی امام کسی وقت بیماری کے سبب بیٹھ کر نماز پڑھائے تو اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے والوں کی نماز میں کوئی کراہت نہیں۔ ایسا مریض کہ اس کے مرض میں اتنی مدت بھی پاک وصاف رہنا نہ پایا جائے جتنی دیر میں چار رکعت نماز بآسانی ادا کی جاتی ہے، اسے بھی امام نہیں بنانا چاہیے۔ مستقل معذور شخص اپنے ہی جیسے دوسرے معذور شخص کا امام ہو سکتا ہے مگر تندرست لوگوں کا امام نہیں ہو سکتا۔ (☆)

☆ امام کے بالکل پیچھے وہ شخص کھڑا ہو جو دینی مسائل کا خوب جاننے والا ہو تا کہ کسی وجہ سے امام کی نماز ٹوٹ جائے یا امام کو کوئی اور عذر پیش آجائے تو وہ شخص امامت کر سکے۔

سوال نمبر ۵۔ نماز کی ادائیگی میں جماعت کی بہت اہمیت ہے، کچھ فقہا اس کو لازمی اور فرض کہتے ہیں اور کچھ فقہا واجب یا سنت مؤکدہ، ایسے مقام پر جہاں امام، امامت کا اہل نہ ہو اور وہاں نماز کا اعادہ (دہرانا) بھی مشکل ہو، وہاں شرعی حکم کیا ہے؟

بلاشبہ نماز باجماعت ادا کرنا ہر مسلمان تندرست مرد کے لیے سنت مؤکدہ قریب الواجب ہے اور تنہا نماز ادا کرنے سے ستائیس درجے افضل ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''جس نے اچھی طرح وضو کیا اور پھر فرض نماز کے لیے (مسجد کی طرف) چلا اور امام کے ساتھ (باجماعت) نماز ادا کی اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے'' (نسائی وابن خزیمہ)۔ ایک اور حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اگر جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے رہ جانے والا یہ جانتا ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کو جانے والے کے لیے کیا اجر ہے تو گھسٹتا ہوا آتا (طبرانی) (☆)، ایک حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''جس نے اذان سنی اور اسے مسجد آنے میں کوئی عذر نہیں اس کی وہ نماز مقبول نہیں۔ صحابہ کرام نے عرض کی کیا عذر ہو؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خوف یا مرض'' (ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن حبان)

جماعت کے ساتھ نماز کی ادائیگی کے لیے متعدد احادیث ہیں۔ مذکورہ ارشادات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ خوف اور مرض کے سوا باجماعت نماز ادا کرنے سے اگر کوئی اور عذر مانع ہو تو وہ عذر بھی قابل قبول نہیں اور تنہا نماز ادا کرنا غیر مقبول ہے۔ خوف سے مراد کیا ہے؟ اور مرض سے مراد کیا ہے؟ اس کی تفصیل میں علمائے دین فرماتے ہیں کہ جن کے نقصان کا یقینی خوف ہو اور ایسا مرض ہو جس کی شدت و تکلیف کے سبب مسجد میں نہ آ سکتا ہو۔ جان کے ضائع ہونے کا یقینی خوف ہونا کئی قسم کے لوگوں کو ہو سکتا ہے مثلاً ایسا نابینا شخص جو اپنی رہائش گاہ سے مسجد تک لاٹھی وغیرہ کے سہارے بھی بآسانی نہ آ سکتا ہو۔ کیوں کہ راستہ کے

☆ باجماعت نماز کی اہمیت ایک حدیث شریف میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ اگر کوئی دیکھے کہ جماعت ہو رہی ہے اور دیکھنے والے کا وضو نہیں ہے تو وہ وضو میں اعضا کو صرف ایک ایک مرتبہ دھو کر جماعت میں شامل ہو جائے۔

درست ہونے کا اسے علم نہیں یا راستہ ویران ہو اور اس میں درندے وغیرہ ہوں۔ ایسا شخص جس کو یہ یقین ہو کہ اس کا کوئی دشمن اسے مار دے گا اور وہ ان سے خود کو تنہا نہیں بچا سکے گا وعلیٰ ہذا القیاس۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ شدید مرض میں رخصت ہے۔ ایسا مرض جس سے ایسی تکلیف ہو کہ چلنا پھرنا مشکل ہو جائے یا ایسا مرض جس سے دوسرے کراہت کریں اس کے لیے رعایت ہے، مگر معمولی مرض وغیرہ میں یہ رعایت نہیں۔

سوال میں امام کے نااہل ہونے کی وجہ کا ذکر نہیں مگر مطلب ومفہوم کے مطابق غالباً یہی پوچھا گیا ہے کہ اسلامی احکام کے مطابق اگر امام میں امامت کی اہلیت نہ پائی جائے یعنی وہ فاسق ہو تو وہاں کیا کیا جائے؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ ہر مسلمان کے لیے جان سے زیادہ اہمیت ایمان کی ہے، یہاں تک کہ ایمان کے تحفظ کے لیے جان بھی قربان کر دی جاتی ہے۔ جس طرح جان کے ضائع ہونے کا یقینی خوف اس بات کی رخصت ورعایت دیتا ہے کہ نماز تنہا ادا کر لی جائے اور مسجد تک نہ جائے اسی طرح اس شخص کے لیے بھی رخصت ورعایت ہے جس کو یہ یقینی علم ہو کہ قریب ترین مسجد میں مقرر امام کی اقتدا باطل ہے، کیوں کہ جو شخص اپنے باطل عقائد ونظریات کے سبب سے امامت کا اہل ہی نہیں اس کے عقائد ونظریات کا علم ہوتے ہوئے اس کی اقتدا کا ارادہ ونیت ہرگز جائز اور صحیح نہیں۔ ایسے شخص کو جانتے بوجھتے ہوئے امام مان لینے کا واضح مطلب ومفہوم یہی ہوگا کہ اس کے فسق وکفر کے باوجود اسے مسلمان مانا گیا اور ایسا کرنا صریح غلطی ہے۔ قارئین گزشتہ صفحات میں یہ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ علما کا یہ کہنا ہے کہ کافر کو مسلمان ماننا خود کافر ہونا ہے۔ اگر کوئی شخص ایسے علاقے میں ہے جہاں ایک ہی مسجد ہے اور وہاں کے امام کی شہرت یہی ہے کہ اس کے عقائد ونظریات درست نہیں تو وہ شخص اپنے ایمان کے تحفظ کے لیے اس امام کے پیچھے ہرگز نماز ادا نہ کرے، کیوں کہ جماعت کے ثواب سے محروم ہونا، ایمان کے ضائع ہونے سے زیادہ نہیں ہو سکتا اور اگر اس علاقے میں ایک سے زیادہ مساجد ہوں اور سب مساجد کے ائمہ (اماموں) کے بارے

میں ویسی ہی شہرت ہوتو، احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے ساتھ باجماعت نماز ادا نہ کرے بلکہ اپنے ہم عقیدہ افراد کے ساتھ باجماعت نماز ادا کرلے اور اگر باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے ہم عقیدہ افراد نہ ہوں تو تنہا نماز ادا کرلے۔

اس خادم اہل سنت کے علم و مشاہدہ کے مطابق ایسا جبر کہیں نہیں پایا جاتا کہ وہاں کی مسجد کے امام کی اقتدا نہ کرنا کسی کو مملکت کا باغی یا دشمن ٹھہرائے، البتہ یہ ممکن ہے کہ بعض مقامات پر مسجد کے متعین امام کی امامت میں نماز کے بعد لوگوں کو باجماعت نماز ادا کرنے کی اجازت نہ ہو اور الگ باجماعت نماز ادا کرنے والوں کو مسجد کی انتظامیہ یا مقررہ امام اپنا دشمن یا مخالف سمجھے۔ جہاں ایسی سختی اور تشدد پایا جائے وہاں اگر الگ الگ ہوکر باجماعت نماز ادا کرنا یا فوراً اپنی نماز کا اعادہ (دہرانا) سخت جھگڑے اور فتنہ کا سبب بن جائے وہاں فتنہ و فساد سے بچنے کے لیے احتیاط کرنی چاہئے کیوں کہ قرآن کریم میں فتنہ کو قتل سے بھی زیادہ شدید فرمایا گیا ہے۔ ایسی جگہ پر احتیاط کی صورت یہ ہوگی کہ اگر امام فاسق معلن فی العقیدہ ہو تو اس کی اقتدا ہرگز نہ کی جائے اور تنہا اپنی نماز ادا کی جائے اور اگر بالفرض ایسا کرنا بھی مشکل ہو اور متعین امام کی اقتدا پر سخت مجبور کر دیا جائے اور اس علاقہ میں ایک ہی مسجد ہو تو اپنی نماز کا اعادہ اپنی رہائش گاہ پر جا کر کرلے۔ ایسی جگہ پر ایک ہی مسجد ہونے کے باعث جمعہ کی فرضیت و اہمیت کے سبب جمعہ کی نماز میں فاسق کی اقتدا سے مجبوراً گناہ گار نہ ہوگا اور اگر ایک سے زائد جگہ پر جمعہ ہوتا ہو تو پھر مقیم شخص کے لیے یہی ہے کہ وہ جمعہ کی فرضیت و اہمیت کی خاطر جمعہ کی نماز میں فاسق کی اقتدا مجبوراً کرلے اور اس کے بعد اپنی ظہر کی نماز پوری ادا کرے چنانچہ فتح القدیر میں ہے کہ ”قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الا فی الجمعة لان غیرها یجد اماما غیرہ اھ یعنی انه فی غیر الجمعة بسبیل من ان یتحول الی مسجد آخر ولا یاثم فی ذالك ذکرہ فی الخلاصه والتحویل ھذا فیکرہ فی الجمعة اذا تعددت اقامتها فی المصر علی قوم محمد وھو المفتی به لانه بسبیل من التحول حینئذ وفی المحیط لو صلی خلف فاسق او مبتدع احرز ثواب الجماعة لکن یحرز ثواب المصلی خلف

تقی او یرید بالمبتدع من لم یکفر الخ (ص ۲۴۷، ج ۱)

ترجمہ (ہمارے اصحاب (اہل علم فقہائے حنفیہ) فرماتے ہیں کہ سوائے جمعہ کے ہر گز فاسق کی اقتدا نہیں کی جائے گی جبکہ فاسق کے سوا کوئی اور امام نہ ہو یعنی جب کہ صرف ایک مسجد میں جمعہ ہوتا ہو اور اگر ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ ہوتا ہو تو ادھر جانا ہوگا کیوں کہ فاسق کی امامت کراہت سے خالی نہیں یہی مفتی بہ قول ہے اور محیط میں ہے کہ اگر فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جائے یا بدعتی کے جس کی بدعت کفر کی حد کو نہ پہنچی ہو تو جماعت کا ثواب مل جائے گا لیکن اس ثواب کو نہ پائے گا جو متقی شخص کے پیچھے نماز ادا کرنے کا ہوتا ہے)

اسلامی ممالک میں سعودی عرب کی حرمین شریفین کے سبب عزت و اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ہر مسلمان مسجد نبوی شریف کی عظمت و مرتبت بھی بخوبی جانتا ہے۔ مدینہ منورہ کی آبادی میں ایک تہائی سے زیادہ شیعہ بتائے جاتے ہیں۔ اہل تشیع کے عقائد و نظریات کا باطل ہونا کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں مگر میرا یہ ذاتی مشاہدہ ہے اور متعدد مرتبہ کا ہے کہ مدینہ منورہ کے بہت سے شیعہ اذان کے بعد مسجد سے باہر آجاتے ہیں اور مسجد نبوی کے مقررہ اماموں کی اقتدا میں باجماعت نماز ادا نہیں کرتے۔ مدینہ منورہ کے اہل تشیع کا یہ معمول وہاں کی انتظامیہ سے پوشیدہ نہیں مگر انتظامیہ کی طرف سے ان اہل تشیع پر کوئی جبر و تشدد نہیں کہ انہیں مقررہ اماموں کی اقتدا کے سوا کوئی چارہ نہ ہو۔ اس تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ جب اہل باطل اپنے عقیدہ و مذہب کے اختلاف پر یہ جرأت رکھتے ہیں تو اہل حق کو اپنے عقائد و نظریات کے معاملے میں کس قدر بے باک اور جرأت مند ہونا چاہیے اور جب مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی انتظامیہ ان اہل باطل پر جبر نہیں کرتی تو کسی اور مسجد کی انتظامیہ کو اہل حق سے بالخصوص ایسا معاندانہ رویہ نہیں رکھنا چاہیے اور نمازیوں کو اختلاف عقائد کے ہوتے ہوئے نماز میں اقتدا پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ تبلیغ دین کے لیے مختلف ممالک میں سفر کے دوران خود میری بھی ایسے لوگوں سے مڈبھیڑ ہوئی جو اپنی اقتدا پر لوگوں کو مجبور کرتے ہیں۔ اسے کوئی بھی مناسب اور اچھا نہیں گردانے گا ہونا یہ چاہیے کہ اگر

کسی جگہ انتظامیہ کے اپنے مخصوص عقائد ہیں تو وہ ان عقائد کے مطابق اپنی امامت کریں مگر عامۃ المسلمین کو اپنی اقتدا کے لیے ہرگز مجبور نہ کریں۔

سوال نمبر ٦۔ اگر اعتقادی فاسق کی اقتدا کی جائے تو کیا شریعت میں اس کے لیے کوئی رعایت ورخصت ہے؟ کچھ علما کا کہنا ہے کہ نااہل امام کی اپنی نماز قائم نہیں ہوتی تو اس کی اقتدا کی نیت ہی باطل ہے اور ایسے امام کی نااہلی کا علم رکھتے ہوئے جان بوجھ کر قصد و نیت کے ساتھ اس کی اقتدا کو درست جاننے والا مومن نہیں رہتا۔

اب تک جو تفصیل قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں اس میں اس سوال کا جواب گزر چکا چوں کہ سوال نامے میں اسے الگ سوال کے طور پر دریافت کیا گیا ہے اس لیے اس کے جواب میں عرض ہے کہ اعتقادی فاسق دو طرح کے ہیں۔ معلن اور غیر معلن۔ معلن فاسق اور اعتقادی کو امام مقرر کرنا ہی غلط ہے، اگر بالفرض کسی جگہ ایسا شخص امام ہے جو اعتقادی طور پر فاسق معلن ہے اور مسجد کی انتظامیہ وعوام بھی اس کے ہم نوا ہیں اور اس علاقے میں ایک ہی مسجد ہے تو ایسی صورت میں تنہا نماز ادا کرنا ہی اس فاسق معلن اعتقادی کی اقتدا سے بہتر ہے۔ فاسق معلق اعتقادی کی اقتدا سے پہلے اگر اس کے اعتقاد کا علم نہ ہو اور نماز کے بعد ہو جائے تو نماز کا اعادہ (دہرانا) لازم ہے۔ اور یقینی علم ہونے کی صورت میں رخصت ورعایت کیسی؟ کیوں کہ جب یہ یقین ہے کہ امامت کرنے والا جو عقائد ونظریات رکھتا ہے، وہ سراسر شریعت وسنت کے منافی ہیں اور ضروریات دین اور قطعیات کا منکر، مسلمان ہی نہیں، تو بلاشبہ ایسا شخص امامت کا اہل نہیں اور اس کی اقتدا کی نیت ہی باطل ہے۔ اس یقینی علم کے بعد جان بوجھ کر قصد وارادہ کے ساتھ اس شخص کی امامت کو درست سمجھنا اور اس کی اقتدا کرنا، اس شخص کے غلط اور باطل عقائد ونظریات کی تائید کرنا اور اپنے ایمان کو ضائع کرنا ہے۔ یاد رہے کہ دنیا کا ہر قانون یہی کہتا ہے کہ اس قانون کا پیروکار اور ماننے والا کہلا کر اس قانون کی تکذیب (جھٹلانا) اور اس کی کسی طرح توہین کرنا بغاوت ہے۔ کوئی شخص کسی تنظیم یا پارٹی (جماعت) سے وابستہ ہو جائے اور پھر اس تنظیم کے دستور وقواعد کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو تو اس شخص کی

اس تنظیم اور پارٹی سے رکنیت ختم کر دی جاتی ہے اور اس شخص کو ہرگز اس تنظیم کا نمائندہ تسلیم نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح مسلمان کہلانے والا جب اسلام کے ضروری اور قطعی اصول وقواعد اور بنیادی باتوں میں کسی بات کے انکار یا اہانت کا ارتکاب کرے تو اسے دائرہ اسلام سے خارج سمجھا جاتا ہے اور اس کے لیے کوئی رخصت ورعایت باقی نہیں رہتی۔

سوال نمبر ۷۔ امام کے فسق اعتقادی کی شہرت ہونا کافی ہے یا خود تحقیق کرنا ضروری ہے؟

جن باتوں کی نافرمانی کسی شخص کو فاسق بناتی ہے، ان کی تفصیل تو ہر کسی کو معلوم نہیں ہوتی مگر بنیادی اور خاص خاص باتوں کا علم عام لوگوں کو ہوتا ہے۔ ان خاص باتوں کی بنیاد پر اگر کسی شخص کے اعتقادی فاسق ہونے کی شہرت ہو تو عوام کے لیے اس شہرت کے سبب سے احتیاط کا یہی تقاضا ہے کہ اس شخص کی اقتدا نہ کی جائے اور اہل علم کے لیے اس امام کے اعتقادی فسق کا یقینی علم ضروری ہے۔ اگر کسی علاقے میں اعتقادی فسق عام ہو اور مساجد کے تمام اماموں کے بارے میں یکساں شہرت ہو تو وہاں ہر امام کے بارے میں عوام کو احتیاط لازم ہے، البتہ اہل علم کو چاہیے کہ وہ تحقیق وتفتیش کریں اور یقینی حد تک واقفیت کے بعد عوام کو بھی آگاہ کریں تاکہ لوگ اپنی نمازوں کا تحفظ کر سکیں۔

سوال نمبر ۸۔ اگر پہلے علم نہ ہو اور نماز کے بعد امام کے نااہل ہونے کا علم ہو، اس صورت میں مقتدی کے لیے کیا حکم ہے؟

امامت کے لیے وہ شخص نااہل ہے جو مقتدی کی امام کے ساتھ نماز کی وابستگی کی شرائط کو بہ تمام وکمال پورا نہ کرتا ہو۔ ان شرائط اور امام کی نااہلی کی تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ کسی جگہ نماز کے باجماعت قائم ہونے سے پہلے اقتدا کرنے والے کو امام کے نااہل ہونے کا علم نہ ہو سکا مگر نماز کے فوراً بعد یا کچھ دیر بعد ہو گیا تو ایسی صورت میں مقتدی کو اپنی نماز کا اعادہ (دہرانا) لازم وضروری ہے اور اگر امام کے اس قدر نااہل ہونے کا علم بعد میں ہوا کہ امام فاسق فی العمل غیر معلن ہے تو نماز نہیں دہرائی جائے گی۔

سوال نامے کے بالترتیب پہلے آٹھ سوالوں کے جوابات میں جو تفصیل گزری ہے اس

سے قارئین نے بخوبی یہ جان لیا ہوگا کہ شریعت وسنت کے احکام اسلامی عبادات میں خوبی و معیار کو برقرار رکھنے کے لیے ہیں اور ملت اسلامیہ میں نظم وضبط اور عمدگی کے لیے ہیں۔ اسلام میں امامت صغریٰ کا اہل وہ شخص ٹھہرایا گیا ہے جس کی اقتدا کی لوگوں میں رغبت اور شوق پایا جائے، تاکہ لوگ اس شخص کی عمدگی کی وجہ سے مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنے کو تنہا نماز پڑھنے سے مقدم اور بہتر سمجھیں۔ عام لوگوں میں باجماعت نماز کا ذوق وشوق کم ہونے کے اسباب میں نااہل اماموں کا بڑا دخل ہے۔ افسوس کہ لوگ اپنے معمولی کاموں کی باگ ڈور تو کسی نامناسب شخص کے ہاتھ میں دینا گوارا نہ کریں کہ اس طرح دنیوی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے افسوس کہ ان لوگوں نے اسلامی اہم عبادت نماز کو اتنا اہم بھی نہ سمجھا، کیوں کہ نماز کی امامت ناموزوں شخص کو سونپ کر نماز اور ایمان دونوں کا نقصان ہوگا حالاں کہ ایمان وعبادت کا نقصان بلاشبہ دنیوی نقصان سے زیادہ بڑا نقصان ہے۔ یہ خادم اہل سنت توقع کرتا ہے کہ اہل ایمان میری اس تحریر کے بغور مطالعے کے بعد اپنی نمازوں کی صحت اور ایمان کے تحفظ کے لیے صرف انہی اماموں کی اقتدا کو اپنائیں گے جو امامت کے ہر طرح اہل ہوں گے اور جن کی اقتدا بابرکت اور صحیح ہوگی۔ اللہ کریم جل شانہ ہمیں حق و صداقت قبول کرنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سوال نمبر ۹۔ باجماعت نماز میں صفوں میں کتنا فاصلہ ہوسکتا ہے، کوئی عمارت یا دیوار وغیرہ حائل ہوجائے تو اس صورت میں اقتدا درست ہوسکتی ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ باجماعت نماز کی ادائیگی سے نمازیوں کو حسن ترتیب اور نظم کی تعلیم وتربیت ملتی ہے اور جس طرح کسی عمارت کا حسن اس پر منحصر ہے کہ اس کی تعمیر میں عمدہ ترتیب اور ہر شے قرینے اور سلیقے سے ہو، اسی طرح نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے صفوں میں باقاعدگی اور ترتیب وتوازن کا حسن جھلکنا چاہئے۔ باجماعت نماز، ملت اسلامیہ کی ایمانی اخوت، ملی وحدت اور قومی مساوات کا عمدہ اظہار ہے، اس لیے نمازیوں کی صفوں میں اس بات کا اہتمام ہونا چاہیے کہ صفیں بناتے ہوئے وہ مقصد برقرار رہے جو باجماعت نماز کے

مقاصد میں اہم ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جمعہ، عیدین یا کسی خاص موقع وغیرہ پر اتنا زیادہ اجتماع ہو جاتا ہے جو مسجد کی عمارت کے احاطے میں پورا نہیں سماتا، تو کچھ لوگ مسجد کے باہر یا اطراف میں سڑکوں، گلیوں میں نماز ادا کرتے ہیں۔ اسلامی شریعت مطہرہ میں ہر صورت حال کے لیے رہنما اصول و قواعد موجود ہیں اور اہل علم جانتے ہیں کہ حالت کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے اور اس کی تفصیل اہل علم سے حالت کی تبدیلی کے مطابق معلوم کی جاسکتی ہے۔

باجماعت نماز میں نمازیوں کی صفوں کی درستی کی اہمیت جاننے کے لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند ارشادات ملاحظہ ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "صفوں کو برابر کرو اور کندھوں کو ایک دوسرے شخص کے مقابل کرو اور اپنے (نمازی) بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور (نمازیوں کی صفوں کے درمیان) کشادگی (خالی جگہ) کو بند کرو کہ شیطان بھیڑ کے بچے کی طرح تمہارے درمیان داخل ہو جاتا ہے۔ (مسند احمد، طبرانی)

اس ارشاد گرامی سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صف میں کھڑے ہونے والے نمازی، قبلہ کی طرف رخ کر کے اس طرح کھڑے ہوں کہ آگے پیچھے ہوتے ہوئے معلوم نہ ہوں بلکہ صف بالکل سیدھی اور متوازی ہو اور ہر نمازی کے کندھے دائیں بائیں ہر دوسرے نمازی کے کندھوں سے لگے ہوئے ہوں اور جسم کو اکڑایا نہ جائے بلکہ نرمی اختیار کی جائے اور ہر ایک نمازی ہر دوسرے نمازی سے اس طرح ملا ہوا ہو کہ ان کے درمیان جگہ خالی نہ رہے، ورنہ اتنا حصہ شیطان کے داخل ہونے کے لیے کافی ہوگا۔

کتب صحاح ستہ (حدیث کی مشہور چھ صحیح کتابوں) میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ کے بندو، اپنی صفیں برابر کرو، ورنہ اللہ تمہارے اندر اختلاف ڈال دے گا"۔ اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ صفوں کی بے ترتیبی آپس میں خیالات و نظریات کی بے ترتیبی کا سبب بن جاتی ہے، اس سے صفوں کے اچھی طرح درست ہونے کی اہمیت کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے۔ ابوداؤد، نسائی اور ابن خزیمہ میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صف کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک جاتے اور جس نمازی کا سینہ یا کندھا صف

سے باہر ہوتا، اس پر ہاتھ پھیرتے (یعنی اس کو درست کرنے پر توجہ دلاتے) اور فرماتے کہ مختلف نہ کھڑے ہو، ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے۔ اس حدیث شریف سے بھی معلوم ہوا کہ صف میں ایک سی ترتیب سے کھڑے نہ ہونا ایک دوسرے کے دل کے اختلاف کا باعث ہو جاتا ہے۔ طبرانی شریف میں حدیث شریف ہے کہ "اس قدم سے بڑھ کر کسی قدم کا ثواب نہیں جو اس لیے بڑھا کہ صف کے درمیان خالی جگہ کو پر کرے"۔ ابوداؤد شریف میں روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "اگلی صف کو پورا کرو پھر اس کے بعد کی صف کو اور اگر کچھ کمی ہو تو پچھلی (آخری) صف میں ہو"۔ اس حدیث شریف میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم فرمائی کہ آگے والی صفوں میں جگہ ہونے کے باوجود پچھلی صف میں کھڑے ہونا درست نہیں، بلکہ نمازیوں پر لازم ہے کہ وہ پہلے آگے والی صفوں میں موجود خالی جگہ پُر کریں اور آگے والی صف کے مکمل ہو جانے کے بعد دوسری صف میں کھڑے ہوں۔ فقہائے اسلام علمائے دین کا کہنا ہے کہ اگر اگلی صف میں جگہ ہو تو صف کو پھاند کر اس خالی جگہ کو پُر کرنا چاہیے، کیوں کہ ایک حدیث شریف میں واضح طور پر اس شخص کے لیے مغفرت کی بشارت ہے جو صف کے درمیان خالی جگہ پُر کرتا ہے۔

کچھ لوگ اپنی سہولت یا کسی غیر معقول عذر کی وجہ سے اگلی صفوں کو پورا کرنے کی بجائے اپنی مرضی کی جگہ تلاش کرتے ہیں، خاص طور پر سخت گرمی میں پنکھے وغیرہ کے قریب کھڑے ہوتے ہیں اور اگلی صف میں خالی جگہ پُر نہیں کرتے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ اپنی وقتی آسودگی کو پیش نظر رکھتے ہیں مگر بہت سے ثواب سے محروم ہو جاتے ہیں۔ دو، تین یا چار رکعت نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے انہیں اسی مقصد اور اہمیت کو ملحوظ رکھنا چاہیے جو باجماعت نماز سے وابستہ ہے، وہ لوگ زندگی کے بہت سے مرحلوں پر جسمانی آسودگی کی قربانی دیتے ہوئے کچھ تکلف محسوس نہیں کرتے تو صرف نماز میں اپنے اس نامناسب طرز عمل سے بھی انہیں اجتناب کرنا چاہیے۔

شرعی احکام کے مطابق امام اور مقتدی کے درمیان اتنا کھلا فاصلہ، جس میں کہ بیل گاڑی،

تانگا، موٹر کار، رکشا وغیرہ گزر سکے تو اقتدا درست نہیں ہوگی جیسا کہ ہندیہ میں ہے کہ اذا کان بین الامام و بین المقتدی طریق ان کان ضیقا لایمرفیہ العجابۃ والاوقار لا یمنع الاقتداء وان کان واسعا یمرفیہ العجلۃ والا وقار یمنع کذا فی فتاویٰ قاضی خاں والخلاصہ (ص ۸۵ ج ۱)۔ (طریق تجری فی عجلۃ) آلۃ یجرھا (اونھر تجری فیہ السفن) ولوزورقاء ولوفی المسجد (درمختار ۳۹۳ ج ۱)۔ جب امام اور مقتدی کے درمیان راستہ تنگ ہو کہ اس میں تانگا (یا اس کے برابر اور اس کی طرح کوئی سواری) اور بوجھ لادنے والی چیز نہ گزر سکے تو اقتدا منع نہیں اور اگر امام اور مقتدی کے درمیان جگہ کشادہ ہو جس میں تانگا یا کوئی سواری وغیرہ گزر سکے تو اقتدا ہرگز منع ہوگی جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں اور خلاصہ میں ہے۔

اسی طرح فقہائے اسلام فرماتے ہیں کہ کسی جگہ پانی کی نہر ہو اور اس پر پل ہو اور پل پر صفیں متصل (برابر، ملی ہوئی) ہوں تو امام اگرچہ نہر کے اس پار ہے تو اس پار والا اقتدا کر سکتا ہے۔ اور اگر کسی میدان میں نماز باجماعت ادا کی جا رہی ہے تو امام اور مقتدی کے درمیان اتنی جگہ خالی ہے کہ اس میں دو صفیں قائم ہو سکتی ہیں تو اقتدا صحیح نہیں ہوگی اور یہی حکم بڑی مسجدوں کا ہے۔ مکہ مکرمہ میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ موسم حج کے سوا ہر نماز میں حرم شریف کی عمارت نمازیوں سے بالکل بھری ہوئی نہیں ہوتی اور تمام نمازی متصل صفوں میں نہیں ہوتے بلکہ مطاف (طواف کے میدان) کو خالی چھوڑ کر برآمدوں میں ہوتے ہیں اور درمیان کی بہت سی صفیں خالی رہتی ہیں۔ اسی طرح مدینہ منورہ میں مسجد نبوی شریف میں لوگ اپنی کسی سہولت کی وجہ سے متصل صفوں میں شامل ہونے کی بجائے الگ الگ فاصلوں پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور درمیان کا بہت سا حصہ خالی چھوڑ دیتے ہیں اور کچھ لوگ تو شاید باجماعت نماز کی کسی رکعت رہ جانے کے خیال سے مسجد کے کسی دروازے میں داخل ہوتے ہی نیت باندھ کر نماز باجماعت میں خود کو شامل سمجھ کر نماز شروع کر دیتے ہیں جب کہ ان کے اور نمازیوں کے درمیان جانے کتنی صفیں خالی ہوتی ہیں۔ ایسے لوگوں کو جاننا چاہیے کہ کسی ایک رکعت کا رہ جانا اتنا وبال نہیں جس قدر کہ کاہلی یا غفلت کے سبب آگے بڑھ

کر متصل صف میں شامل نہ ہونے سے پوری نماز ادا نہ ہونے کا وبال سخت ہے۔ اگر صفوں کے درمیان بقدر حوض دہ دردہ (دس مربع گز) جگہ خالی چھوڑی گئی کہ اس میں کوئی شخص کھڑا نہ ہوا، لیکن اس خالی جگہ کے آس پاس یعنی دائیں بائیں صفیں متصل ہیں تو اس خالی جگہ کے بعد والے کی اقتدا صحیح ہوگی، جگہ زیادہ خالی چھوڑنے پر درست نہیں ہوگی۔ البتہ جو مسجد بہت بڑی نہ ہو اس میں امام اگر محراب میں ہے اور مقتدی مسجد کی عمارت کے آخری حصے میں ہے تو اقتدا ہو سکتی ہے، لیکن بڑی مسجد میں نہیں ہو سکتی۔

اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جیسے ستون، کھڑکیوں والی دیوار یا دروازہ وغیرہ مگر مقتدی اپنے امام کا قیام، رکوع اور سجدہ ادا کرنا دیکھ سکتا ہو یا تکبیر کہنے والے مکبر کی آواز سنتا ہو یا مکبر اور اسی امام کے ساتھ اپنی نماز وابستہ کرنے والے مقتدیوں کے رکوع و سجود وغیرہ کو دیکھتا ہو، تو اقتدا میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ مقتدیوں میں بلا وجہ جگہ خالی نہ ہو اور خالی جگہ میں جانا بہت مشکل ہو۔ در مختار میں ہے (والحائل لا یمنع) الاقتداء (ان لم یشتبہ حال مامبہ بسماع او رؤیتہ الخ) یعنی حائل ہونے والی چیز اگر امام کی حالت چھپاتی نہ ہو اور امام کو دیکھا سنا جا سکتا ہو تو اقتدا درست ہوگی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ باجماعت نماز میں (آلہ مکبر الصوت) لاؤڈ اسپیکر استعمال ہو رہا ہے تو خود امام ہی کی آواز دور تک پہنچے گی، ایسی صورت میں جہاں تک آواز پہنچے وہاں (باوجود درمیان میں بہت سی جگہ خالی ہونے کے) اقتدا کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ کچھ علمائے دین نے لاؤڈ اسپیکر کے بارے میں پوری طرح مطمئن نہ ہونے کے سبب سے اپنے کمال تقویٰ و احتیاط کے پیش نظر لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کو باجماعت نماز میں درست نہیں سمجھا، تاہم جن مساجد میں باجماعت نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال ہوتا ہے ان میں بھی یہ اہتمام ضروری ہونا چاہیے کہ مقتدیوں میں ضروری فاصلے پر چند مقتدی مکبر کے فرائض انجام دیں تاکہ اچانک بجلی منقطع ہو جانے یا ایمپلی فائر میں کوئی خرابی ہو جانے کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز میں کوئی خرابی یا خلل واقع نہ ہو، اور صرف لاؤڈ اسپیکر ہی پر انحصار نہ رہے۔

رہی یہ بات کہ امام اور مقتدی کے درمیان بہت سی جگہ خالی ہونے اور بہت کچھ حائل ہونے کے باوجود صرف لاؤڈ اسپیکر سے پہنچنے والی آواز کے ساتھ اقتدا ہو سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کے جواب کو سمجھنے سے پہلے یہ ذہن نشین کر لیا جائے کہ مقتدی کی نماز کے امام کی نماز سے وابستہ ہونے کی شرائط میں یہ شرط ہے کہ امام اور مقتدی ایک ہی مکان میں ہوں، اگر بنیادی شرائط میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی، تو وہ عمل بے سود اور بے کار ہو جائے گا۔ اگر صرف امام کی آواز یا نماز میں اس کی حالت کا ''کسی طرح بھی'' سننا دیکھنا شرط سمجھ لیا جائے، تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے ایک شہر کی حد تک ہر گھر میں دیکھا سنا جا سکتا ہے۔ اس طرح امامت کے بہت سے مسائل اور مساجد کا تصور ہی ختم ہو جائے گا اور باجماعت نماز کا بنیادی مقصد بھی محض ایک مذاق ہو کر رہ جائے گا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہمیں اپنی طبیعت کو شریعت کے مطابق بنانا چاہیے اور شریعت کو اپنی طبیعت کے مطابق بنانے کی فضول کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ جو لوگ اپنی طبیعت کو شریعت کے مطابق بناتے ہیں وہ پابندیوں کو جبر یا سختی نہیں سمجھتے بلکہ اپنے محبوب کی رضا کے حاصل کرنے کا صحیح راستہ و طریقہ سمجھ کر خوشی سے قبول کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں اور کامیاب قرار پاتے ہیں۔

کتاب و سنت کے احکام کے مطابق یہ ہدایت ہے کہ مسجد کے ساتھ متصل (ملے ہوئے) مکان کی چھت، اگر مسجد کی چھت سے متصل (ملی ہوئی) ہے اور دونوں کے درمیان میں کوئی راستہ یا راستے کے برابر کوئی فاصلہ نہیں ہے، تو اس متصل مکان کی چھت پر اقتدا ہو سکتی ہے اور اگر کوئی راستہ یا فاصلہ وغیرہ ہے تو پھر اقتدا نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح مسجد کی چار دیواری کے باہر دائیں بائیں یا پیچھے کوئی چبوترہ یا دالان یا کھلی جگہ ہے اور امام مسجد میں ہے تو باہر اقتدا صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد بھر جائے اور باہر تک صفیں متصل ہوں جیسا کہ فقہائے اسلام نے لکھا ہے، ولو قام علی دکان خارج المسجد متصل بالمسجد یجوز الاقتداء لکن بشرط اتصال الصفوف کذا فی

الخلاصہ (عالم گیری ص ۴۶، ج ۱) یعنی کوئی شخص مسجد کی عمارت سے ملی ہوئی کسی اونچی جگہ (چبوترہ) میں ہے جو مسجد کے باہر ہے تو اس میں اقتدا ہو سکتی ہے لیکن اس شرط پر کہ وہاں تک صفیں متصل ہوں، ورنہ نہیں۔ کیوں کہ علمائے اسلام کا کتاب وسنت کے احکام کے مطابق یہ کہنا ہے کہ جب آگے والی صفوں میں جگہ خالی ہو تو اس جگہ کو خالی چھوڑ کر پیچھے صف بنانا اور اقتدا کرنا، مکروہ تحریمی ہے اور احادیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مطابق جو شخص آگے والی صف کو ملائے اللہ تعالیٰ اس شخص کو ملائے گا اور جو شخص صف کو خالی چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس شخص سے قطع کرے گا۔ یعنی ملانے والے کا دل اللہ دوسروں سے ملائے گا اور صف کو خالی چھوڑنے والے کا دل اللہ تعالیٰ دوسروں کے دل سے دور کرے گا۔ (ابوداؤد، احمد، طبرانی، کبیر، حاکم، ابن خزیمہ)۔ درمختار ہے کہ ''ولو صلی علی رفوف المسجد ان وجد فی صحنہ مکانا کرہ کقیامہ فی صف خلف صف فیہ فرجۃ'' اور اگر کوئی شخص مسجد کی الگنی میں نماز ادا کرے جب کہ مسجد کے صحن میں جگہ ہو تو مکروہ ہے جیسا کہ آگے والی صف میں جگہ ہوتے ہوئے پیچھے والی صف میں کھڑا ہونا (مکروہ ہے)۔

اس سوال کے جواب میں وہ پہلی حدیث جو گزشتہ صفحات میں نقل کی گئی ہے، اس سے استدلال کرتے ہوئے علامہ طحطاوی اور علامہ شامی، درمختار کی مذکورہ عبارت کے تحت فرماتے ہیں کہ ''ھل الکراھۃ فیہ تنزیھۃ او تحریمۃ ویرشد الی الثانی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ومن قطعہ قطعہ اللہ'' (یعنی کہ آگے والی صف میں جگہ ہوتے ہوئے، مسجد میں جگہ ہونے کے باوجود الگنی یا باہر نماز ادا کرنے میں) کون سی کراہت ہے، تنزیہی یا تحریمی؟ تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث شریف کے مطابق قول ثانی (تحریمی) کا ارشاد ہے۔

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ آگے والی صفوں میں جگہ خالی ہو تو پہلے ان صفوں کو پورا کیا جائے اور آگے والی صف میں جگہ خالی ہونے کے باوجود پیچھے نماز کے لیے کھڑا نہ ہوا جائے، یہاں تک کہ نماز کی حالت میں آگے والی صف کی خالی جگہ پورا کرنے کے لیے چلے تو نماز فاسد (خراب) نہیں ہوگی بلکہ خالی جگہ پر کرنے کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ علامہ شامی

فرماتے ہیں کہ ''رایت فی مفسدات الصلوٰۃ من الحلیۃ عن الذخیرۃ ان کان فی الصف الثانی فرای فرجۃ فی الاول فمشی ایھالم تفسد صلاتہ لانہ مامور بالمراصۃ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام تراصوا فی الصفوف (ص ۲۸۳ ج ۱)

میں نے (نماز کو توڑنے والی چیزوں کے باب) میں دیکھا اور صاحب حلیہ نے اسے ذخیرہ (کتاب) سے لیا، کہ اگر دوسری صف میں کھڑا ہونے والا پہلی صف میں جگہ خالی پالے، تو نماز کی حالت میں (دوران نماز) چل کر اس (خالی) جگہ کو پُر کرنے سے بھی اس کی نماز نہیں ٹوٹے گی (☆) کیوں کہ صفوں کو ملا کر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ صفوں کو ملا کر رکھو (یعنی گردنیں پھلانگ کر بھی اگلی صف کو پورا کرنا پڑے تو اگلی صف کی خالی جگہ کو پُر کرو)۔

عام طور پر مسجد اور مجلس میں نمازی کے آگے سے گزرنے یا لوگوں کی گردنیں پھلانگنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے لیے سخت وعید (سزا کی خبر) فرمائی گئی ہے۔ لیکن با جماعت نماز میں صفوں کی ترتیب کا حسن اور نظم قائم رکھنے کے لیے پچھلی صف کے نمازی کو اگلی صف میں خالی جگہ پُر کرنے کے لیے نمازی کے آگے سے گزرنے کی اجازت دی گئی ہے۔

چناں چہ صاحب ردالمحتار فرماتے ہیں۔

و فی القنیہ قام فی آخر صف وبینہ وبین الصفوف مواضع خالیۃ فللداخل ان یمر بین یدیہ لیصل الصفوف لانہ اسقط حرمۃ نفسہ فلا یأثم المار بین یدیہ دل علیہ ما فی الفردوس عن ابن عباس عنہ من نظر الی فرجۃ فی صف فلیسدھا بنفسہ فان لم یفعل فمر مار فلیتخط علی رقبتہ فانہ لا حرمۃ لہ ای فلیتخط للمار علی رقبۃ من لم یسد لفرجۃ (ص ۴۲۱ ج ۱)

ترجمہ (اور قنیہ میں ہے کہ (جماعت میں) جو مقتدی پچھلی صف میں کھڑا ہو، اور اس شخص

☆ علامہ شامی نے تصریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''ولو کان فی الصف الثالث تفسد اہ ای لانہ عمل کثیر الخ'' یعنی اگر نماز کی حالت میں تیسری صف سے (مقتدی) متواتر چل کر آگے گیا تو اس کی نماز فاسد ہو جائے گی' کیوں کہ یہ عمل کثیر ہوگا۔

اور اگلی صفوں میں مقتدیوں کے درمیان جگہ خالی ہو، تو (باہر سے) نماز میں داخل وشامل ہونے والے کے لیے جائز ہے کہ وہ (اگلی) صف کو پُر کرنے کے لیے اس نمازی کے آگے سے گزر جائے کیوں کہ اس نمازی نے (آگے والی صف میں جگہ خالی چھوڑ کر پیچھے والی صف میں کھڑے ہونے کی وجہ سے بحیثیت نمازی) اپنے احترام کو خود (شرعی حکم پر علم نہ کر کے) ساقط کر دیا، لہٰذا اس نمازی کے آگے سے گزرنے والا گناہ گار نہیں ہوگا، چنانچہ اس پر حضرت ابن عباس (رضی اللہ عنہما) کی وہ روایت دلیل ہے جو کہ فردوس (کتاب) میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو نمازی (با جماعت نماز میں اپنے سے اگلی) صف میں جگہ خالی دیکھے، اسے چاہئے کہ وہ خود اسے پُر کرے، اگر اس نے ایسا نہ کیا، بلکہ کسی دوسرے شخص نے اس کی گردن پھلانگ کر (اس خالی جگہ کو) پُر کیا، تو درست ہے، کیوں کہ (شرعی حکم پر عمل نہ کرنے والا نمازی، نماز کی حالت میں اپنی لاپرواہی کی وجہ سے) احترام کے لائق نہیں ہے)۔

قارئین نے اندازہ کر لیا ہوگا کہ نماز باجماعت میں حسن ترتیب کا کس قدر خیال رکھنے کی تعلیم فرمائی گئی ہے، اس لیے نمازیوں کو چاہیے کہ وہ اپنی صفیں نہایت اہتمام سے بنائیں اور جب مساجد میں جائیں تو اس بات کا خیال رکھیں کہ اگر نماز شروع نہیں ہوئی تو پہلے ہی سے مختلف فاصلوں پر علیحدہ علیحدہ ہو کر نہ بیٹھیں بلکہ نماز شروع ہونے کا انتظار بھی ایک دوسرے سے متصل ساتھ بیٹھ کر کریں اور جب اقامت (جماعت کے لیے کھڑے ہونے کا اعلان) ہو تو حی علی الصلوٰۃ کی صدا پر فوراً کھڑے ہو کر اپنی صفوں کی ترتیب کا اہتمام کریں اور صفوں کے درمیان جگہ ہرگز خالی نہ چھوڑیں اور اگر کوئی جگہ خالی رہ جائے تو اسے پُر کرنے میں کوتاہی نہ کریں۔

سوال نمبر ۱۰۔ صفوں کے درمیان کسی خاص شخص کے لیے فاصلہ رکھا جا سکتا ہے یا نہیں اور اگر درمیان کی کچھ صفیں خالی رہ گئیں تو پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہیں؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنے کی تعلیم میں بہت سے فوائد اور حکمتیں ہیں اور علمائے اسلام نے اپنی تحریروں میں انہیں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اسلام بلاشبہ ایمانی اخوت اور ملی وحدت کی تعلیم ہی نہیں دیتا بلکہ اس کے لیے ہماری تربیت

بھی کرتا ہے۔ باجماعت نماز میں اس کا مظاہرہ ہمیں نظر آتا ہے کہ ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے کندھے سے کندھا ملائے زبان، نسل، ذات، پات، رنگ اور علاقائی ہر امتیاز سے بالاتر ہوکر صرف ایک ایمانی تعلق اور اخوت کا اظہار کرتا ہے۔ عارف لاہوری شاعر مشرق علامہ اقبال مرحوم بھی اپنے اس شعر میں اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں ؎

بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے  تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

مزید فرماتے ہیں ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

خلفائے راشدین کے دور میں تو اس موضوع پر ایسی عمدہ روایات ملتی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ باجماعت نماز کی ایک صف میں، یوں سب کا ایک دوسرے سے مل کر کھڑے ہونا، وہ انوکھی اور مثالی بات ہے، جس سے اسلام کی ملی مساوات اور اجتماعیت دنیا کے تمام ادیان و مذاہب کے کھوکھلے دعوؤں کو آئینہ دکھاتی ہے۔ عقل بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ باجماعت نماز میں، صفوں میں باہم مل کر کھڑے ہونا، ایک اعلیٰ مقصدیت لیے ہوئے ہے، جو اسلام ہی کا امتیاز ہے۔ بایں ہمہ کتاب وسنت کے احکام میں تمام فطری اور احوال کے ناگزیر تقاضوں کا پورا پورا حل موجود ہے۔ چنانچہ فقہائے اسلام کا فرمانا ہے کہ باجماعت نماز میں قصد وارادہ کے ساتھ بلاوجہ کسی خاص شخصیت مثلاً بادشاہ اور حکام وغیرہ کے لیے فاصلہ وغیرہ رکھنا درست نہیں، لیکن حفاظت یا کسی معقول عذر کی وجہ سے ضروری انتظام کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ وہ انتظام ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔ اگر ایسا کیا جائے کہ خاص شخصیت کے لیے کسی صف میں اہتمام کیا جائے اور اس کے بعد کی کئی صفیں خالی چھوڑ دی جائیں تو یہ درست نہیں، کیونکہ سوال نمبر ۹ کے جواب میں صفوں کے متصل ہونے کی اہمیت اور اس کے متعلق احکام کی جو تفصیل گزر چکی ہے، اس کے مطابق خاص شخصیت کے لیے غیر ضروری انتظام سے صفیں متصل نہیں رہ سکیں گی اور پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدیوں

کی نماز خراب ہوگی۔ موجودہ دور میں اس قدر انتظام شاید کہیں کیا جاتا ہوگا۔ اول تو بادشاہان مملکت پانچوں وقت نماز ادا کرنے مساجد میں آتے ہی نہیں۔ عیدین یا کسی خاص موقع پر ان کی حفاظت کے لیے اگر مناسب حد تک انتظام کیا جائے تو گنجائش ہے، لیکن اس میں بھی صفوں کو متصل رکھا جائے، ورنہ پچھلی صفوں میں کھڑے ہوئے مقتدیوں کی نماز ضرور متاثر ہوگی۔

سوال نامے کے جوابات میں اس خادم اہل سنت نے کوشش کی ہے کہ آسان لفظوں میں واضح اور جامع احکام پوری طرح پیش کر دیئے جائیں، تا کہ امامت سے متعلق ضروری تفصیل سے سب کو آگہی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نعلین شریف کے صدقے مجھ ناچیز کو یہ توفیق بخشی کہ میں اس کوشش میں کامیاب رہا، اللہ کرے کہ یہ تحریر تمام اہل سنت و جماعت کے لیے مفید و نافع ہو۔

اپنے قارئین سے یہ التماس کروں گا کہ میری تحریر کے متن میں املاء مضمون، ترجمہ وغیرہ کی کوئی غلطی ہوگئی ہو تو مجھے آگاہ فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائے۔ اللہ کریم اپنے فضل سے ہم سب کو قرآن و سنت کے احکام پر خوش دلی سے عمل کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ واتباعہ وبارک وسلم اجمعین

بندہ! کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ۔ کراچی

الجواب صحیح

ابوالظفر مفتی احمد یار خان غفرلہ

صدر مدرس جامعہ حنفیہ اشرف المدارس، اوکاڑا

المجیب مصیب

بشیر احمد اشرفی

نائب مفتی اشرف المدارس اوکاڑا

۲۲ جمادی الاولی ۱۴۱۱ھ

۹۰۔۱۲۔۱۰